شعروادب

عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

● ....علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

ضمیر مغرب ہے تاجرانہ ، ضمیر مشرق ہے راہبانہ
وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ ، یہاں بدلتا نہیں زمانہ

کنارِ دریا خضر نے مجھ سے کہا بانداز محرمانہ
سکندری ہو، قلندری ہو، یہ سب طریقے ہیں ساحرانہ

حریف اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایانِ خانقاہی
انھیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شق نہ ہو سنگِ آستانہ

غلام قوموں کے علم وعرفاں کا ہے یہی رمز آشکارا
زمیں اگر تنگ ہے تو کیا ہے، فضائے گردوں ہے بے کرانہ

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا ، خدا فریبی کہ خود فریبی؟
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

مری اسیری پہ شاخ گل نے یہ کہہ کے صیاد کو رلایا
کہ ایسے پر سوز نغمہ خواں کا گراں نہ تھا مجھ پہ آشیانہ

☆☆☆☆☆

اداریہ

ماہِ شعبان میں رحمت الٰہی کے جھونکے

شمس الحق ندوی

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو سارے انبیاء ومرسلین کا سردار بنایا ہے، اس لیے اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت کو بھی ایسے شرف وفضائل سے نوازا ہے جن سے دوسری امتوں کو نہیں نوازا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا امتی جب مسجد کی طرف چلتا ہے تو اس کے ہر ہر قدم پر ایک گناہ جھڑتا اور ایک مرتبہ بلند ہوتا ہے، یہ روزہ مرہ کی پانچ وقت کی فضیلت کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت کو بہت معمولی اعمال پر بڑے بڑے اجر سے نوازتا ہے، حدیہ کہ وہ تہجد کی نیت کر کے سوئے تو پوری رات نماز میں شمار ہوتی ہے، انھیں فضائل ونوازشات میں سے شعبان المعظم کے خیر وبرکات ہیں، رمضان المبارک کا مہینہ قریب ہے، اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے شعبان المعظم کو ایسے فضائل وبرکات سے بھر دیا ہے جو ماہ مبارک کے روزوں کا حق ادا کرنے کی قوت وطاقت اور شوق وجذبہ پیدا کریں۔

اس لیے اللہ کے محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینہ میں کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ خصوصاً اس ماہ کی پندرہویں رات کا بڑا اہتمام فرماتے تھے، خیر خیرات اور نوافل کے اہتمام کے ساتھ قبرستان بھی تشریف لے جاتے اور اہل قبور کے لیے دعا کرتے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پندرہویں رات کا اتنا اہتمام فرماتے تھے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو بتا کر نماز پڑھنا شروع فرمایا، اس میں اتنا لمبا سجدہ فرمایا کہ مجھے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی موت کا خطرہ معلوم ہوا، میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس گئی، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تلوے پر ہاتھ رکھا، جب اس میں حرکت ہوئی تو اطمینان ہوا، اور بہت خوش ہوئی، خصوصاً شعبان کی پندرہویں رات کو نماز پڑھنا، اور دن میں روزہ رکھنا مسنون ہے، ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رات آسمان دنیا پر غروب آفتاب سے صبح صادق تک تجلی فرماتا ہے، اور ارشاد ہوتا ہے جو شخص اپنے گناہوں کو بخشوانا چاہے بخش دوں گا، جو روزی حاصل کرنا چاہے اس کو روزی دوں گا اور جو کسی مصیبت میں ہو اس کی مصیبت کو دور کر دوں گا لہذا اس رات نوافل پڑھنے اور توبہ واستغفار کا اہتمام کرنا چاہیے۔

یہ کتنے افسوس اور نقصان کی بات ہوگی کہ ہم رات نوافل وعبادت میں گذارنے کے بجائے پوری رات پٹاخے چھڑانے اور تفریح وچراغاں کرنے میں گذار دیں، جو آخرت سے غافل کرنے والا عمل اور خدا کی منکر قوموں کا شعار ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ: صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصہ کو دور کرتا ہے، ایک اور حدیث میں ہے: "اتقوا النار ولو بشق تمرة" کہ جہنم کی آگ سے بچو چاہے کھجور کے ایک ٹکڑا ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو۔

ہم چوبیس گھنٹے کی اپنی زندگی کا حساب لگائیں، دیکھیں کہ ہمارا کتنا وقت آخرت سے غفلت اور خدا کو ناراض کرنے والے کاموں میں گذرتا ہے، پھر اس کی کتنی سخت ضرورت ہے کہ صدقہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے غصہ کو دور کریں، مگر یہ نہ کر کے خدا کے غصہ کو بڑھانے والے کھیل تماشوں اور نام وشہرت والے کاموں میں رقم نہ ہو تو قرض لے کر روپئے خرچ کریں جبکہ دین کے بہت سے کام رقم نہ ہونے کی وجہ سے رکے رہتے ہیں۔

شعبان المعظم کی ان بابرکت گھڑیوں اور شب برات کی اس تجلی رب کے وقت بھی جب وہ فرما رہا ہے کہ جو شخص اپنے گناہوں کو بخشوانا چاہے بخش دوں گا، جو روزی حاصل کرنا چاہے اس کو روزی دوں گا ور جو کسی مصیبت میں ہو اس کی مصیبت کو دور کر دوں گا، ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اللہ کی اس عنایت ونوازش کے وقت توبہ استغفار دعا وانابت سے غافل ہو کر ان مصیبتوں پریشانیوں کے بڑھنے کی دعوت دیں۔

☆☆☆☆☆

سراغ زندگی

تحفظِ دین کا عہد کیجیے!

تعلیمی سال کے اختتام پر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فارغ ہونے والے طلبہ سے رہنما خطاب

● ....حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

رفقائے کرام، برادران عزیز اور دارالعلوم کے رشتے سے فرزندانِ عزیز!

کسی نسبی، حقیقی اور طبعی ماں کے لیے، مادر مشفقہ کے لیے، اور کسی فکری اور تربیتی اور اصلاحی و تعلیمی مادر مشفقہ کے لیے یہ بات کوئی فخر کی اور خوشی کی نہیں ہے کہ وہ اپنے فرزندوں کو اپنے سینے سے لگائے رکھے، اپنی گود میں بٹھائے رکھے، اور اپنے گھر سے نکلنے نہ دے، کسی حیثیت سے بھی وہ ماں قابل مبارکباد نہیں ہوگی کہ جس نے اپنے بچے کو خونِ جگر سے پالا، (خواہ وہ مادر نسبی ہو، اور خواہ مادر علمی ہو) وہ اپنے بچوں کو اپنے سے جدا نہ ہونے دے۔

آج کا دن بھی ایسا ہے کہ اس مادر علمی کو اپنے فرزندوں کو الوداع کہنے، معنوی معنی میں الوداع کہنے کا موقع مل رہا ہے، اگرچہ وہ ان شاء اللہ ابھی کچھ دن رہیں گے اور اس کے بعد بھی ان کا تعلق اور ان کا رابطہ یہاں سے قائم رہے گا، جیسا کہ ان ادبی اور انشاپردازانہ مضامین سے، اور ندوۃ العلماء کے سرپرستوں کے اسلوب اور زبان میں جو اظہار خیال کیا گیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے۔

میں آپ کے سامنے دو ماؤں کی مثالیں رکھتا ہوں جنھوں نے اپنے فرزندوں کو جدا کیا، اور ان فرزندوں نے حق مادری نہیں، اور حق پدری نہیں، اور حق نسبی نہیں، بلکہ حق بندگی، حق وفاداری، حق شرافت اور حق ایمانی ادا کیا۔

حضرت خنساء کا واقعہ

ایک مثال جس پر بہت کم غور کیا گیا ہے، اس حیثیت سے اس کی اہمیت بہت کم محسوس کی گئی ہے، تاریخ ادب کے مطالعہ میں اور دنیا کی ادبیات کے تقابلی مطالعہ میں، وہ حضرت خنساء کی ذات ہے، حضرت خنساء کا یہ امتیاز ہے کہ انھوں نے اپنے بھائیوں کی وفات پر ایسے دل دوز، جگر خراش مرثیے کہے، کہ جن کا میں اپنی محدود واقفیت کی بنا پر جو صرف تین چار زبانوں سے ہے، اور ان میں بھی مراتب ہیں، یہ کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کے لٹریچر میں اس کی مثال نہیں مل سکتی، کہ فرزندوں کے مرثیے، اور دل بندوں کے مرثیے، جگر گوشوں کے مرثیے، بادشاہوں کے مرثیے تو بہت ہیں، لیکن بھائیوں کے، ایک ایک بھائی پر اس طرح رونا اور عمر بھر روتے رہنا، یہاں تک کہ یہ ان کا امتیاز بن گیا ہے کہ وہ مراثی کی بہت بڑی شاعرہ ہیں، جنھوں نے اپنی پوری قوت شاعری، ملکۂ شاعری صرف کردی ہے اپنے بھائیوں کے مرثیہ میں، اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

اور آپ سب (اللہ تعالیٰ آپ کے عزیز و اقارب سب کو زندہ سلامت رکھے، اور آپ ان کے لیے قابل تسلی اور وہ آپ کے لیے قابل فخر ہوں) آپ بھائیوں اور فرزندوں کا فرق خوب سمجھتے ہیں، اس عمر میں بھی سمجھتے ہیں جو عمر اس کی زیادہ سمجھنے کی نہیں ہے، لیکن پھر بھی آپ اپنی فطرت سلیم سے سمجھتے ہیں، کہ بھائی کیسا ہی عزیز ہو، اور کیسا ہی وہ قابل فخر ہو، اور کیسا ہی وہ سرمایۂ حیات ہو، اور کیسا ہی بڑا محسن ہو، لیکن اس میں اور فرزند میں فرق ہوتا ہے۔

حضرت خنساء کا یہ امتیاز ہے کہ ساری عمر ان کی اپنے بھائیوں کا مرثیہ کہنے میں گزری، لیکن اس کا آپ مقابلہ کیجیے، اور میں اپنے ادنیٰ مطالعہ کی روشنی میں کہتا ہوں کہ ایسے مرثیے شاید کسی بھی زبان میں نہیں ملیں گے، جیسے کہ عربی زبان میں یہ مرثیے ہیں، اور وہ تاریخ ادب کا ایک اہم جزو اور عنصر ہے، لیکن یہ بات دیکھنے کی ہے کہ جب بیٹوں کا معاملہ آیا، فرزندوں کا معاملہ آیا، جو اُن کے جسم کے ٹکڑے تھے، آخری بات جو کہی جاسکتی ہے، وہ یہ کہ اُن کے جسم کے ٹکڑے تھے، کہ ایک غزوہ کے موقع پر اُنھوں نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور ایک ایک بیٹے کو رخصت کیا کہ جاؤ، اللہ کے راستے میں جہاد کرو، اور خبر آئی کہ وہ شہید ہوگیا، دوسرے بیٹے کو رخصت کیا، اور خبر آئی کہ وہ شہید ہوگیا، اور پھر تیسرے بیٹے کو، اور اس توقع نہیں بلکہ اس یقین کے ساتھ بھیجتی تھیں کہ وہ زندہ نہیں آئے گا، اور کہتی تھیں کہ بیٹا کوئی کوتاہی نہ کرنا، اللہ کی راہ میں جان دینا، اللہ تعالیٰ نے ان کو کئی فرزند عطا فرمائے تھے، جب سب بیٹوں کی شہادت کی خبر سنی تو یہ تاریخ ادب میں انھیں کے لفظوں میں اس بات کو محفوظ کردیا گیا ہے کہ انھوں نے کہا: "الحمد للہ الذی اکرمنی بشھادتھم"، "اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھے عزت بخشی ان کی شہادت سے"۔

مادر علمی کی مثال

تو ایک مثال تو میں جسمانی اور طبعی اور فطری ماں کی دیتا ہوں، اور اسی کے ساتھ آپ مادر علمی یعنی مدارس دینیہ اور مربیان، سرپرستان علمی اور سرپرستان روحانی کے واقعات تاریخ میں دیکھیں گے، اور ہماری پوری تاریخ دعوت اس سے بھری ہوئی ہے،

شروع سے لے کر آپ دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ماں کی شفقت رکھنے والے، بلکہ بعض اوقات ماں کی شفقت سے زیادہ شفقت رکھنے والے بزرگوں نے اپنے فرزندوں کو جدا کیا اور اس وصیت کے ساتھ جدا کیا کہ جو حدیث کے الفاظ ہیں: "أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَ أَمَانَتَكَ وَ خَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ"، ان کو یہ وصیت کی کہ علم پھیلاؤ، دین کی حفاظت کرو، اور دین کے تقاضے جو ایک داعی کے لیے، اور دین کے ایک عالم و حامل کے لیے، اور ایک غیور مسلمان کے لیے اور ایک ایمان کی قدر و قیمت، اپنے ایمان کی بھی اور امت اسلامیہ کے ایمان کی بھی قدر و قیمت جاننے والے کا جو فریضہ ہے وہ ادا کرو، اس کی اتنی مثالیں ہیں کہ میں سب مثالیں نہیں دے سکتا، میں صرف دو مثالیں دوں گا، ہندوستان میں جن کو اس وقت کے حالات سے بہت زیادہ مطابقت ہے، اور میں ان کی مثالیں دے کر پھر بتاؤں گا کہ آج اس سعادت مندی کا، اس وفاداری کا، اور اس ایمان پروری کا، دین پروری کا، اور حمیت اسلامی کا تقاضا کیا ہے؟

حضرت مجدد الف ثانی اور فتنۂ اکبری کا مقابلہ

ایک حضرت مجدد الف ثانیؒ کی مثال دوں گا، اس جلسہ میں بھی برکت پیدا کرنے کے لیے اور قبولیت پیدا کرنے کے لیے، اور ان کا حق سمجھ کر کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ایک اکیلی ذات تھی، پورا اکبری دربار تھا اور اس کے وسائل تھے، اس کے ذخائر تھے، اس کے لشکر تھے، اور لشکر صرف فوجوں کے نہیں، سپاہیوں کے نہیں، بلکہ ذہین انسانوں کے لشکر تھے، اور میں اپنے تاریخی مطالعہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان ہی نہیں بلکہ اس عہد کے بعض ذہین ترین انسان اس کو میسر آ گئے تھے، ملا مبارک اور اس کے دونوں بیٹے ابوالفضل اور فیضی، اور پھر اس کے بعد ایران سے کئی ذہین لوگ، عبقری، جینئس قسم کے لوگ آ گئے تھے، جنھوں نے اکبر کی اس امیت اور اکبر کی اس عزیمت سے پورا فائدہ اٹھایا۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ جب اُمیت اور عزیمت دونوں جمع ہو جائیں، تو یہ بڑی خطرناک بات ہوتی ہے، اس لیے کہ علم ہے جو جگہ جگہ عنان پکڑتا ہے اور روکتا ہے، اور یا پھر ضعف ارادہ ہے، ارادہ کی، عزم کی کمزوری ہے جو عناں گیر ہوتی ہے اور سدّ راہ ہوتی ہے، لیکن جہاں اُمیت، جہاں لاعلمی اور عزیمت دونوں جمع ہو جائیں اور پھر اس کے ساتھ اس کو ایسے لوگ مل جائیں جو اس کو فکری غذا بھی پہنچاتے ہوں، اور جواز بھی مہیا کرتے ہوں، اس کے جو نتائج ہیں، وہ تصور سے بالا تر ہوتے ہیں، اور یہ نازک ترین گھڑی ہوتی ہے۔

ایک طرف اکبر اپنی ان طاقتوں کے ساتھ تھا، کہ اس کو اس وقت کے جو مابہ الامتیاز اور قابل فخر علوم سمجھے جاتے تھے، ان کے ماہرین یعنی فلسفہ و منطق کے ماہرین اور ادب اور شاعری کے ماہرین کی ایک جماعت مل گئی تھی، اور پھر یہاں کا جو برہمن عنصر تھا، اور یہاں کا ذہین عنصر تھا، وہ بھی اس کے ساتھ تھا، بیربل اور دوسرے جو اس کے اراکین تھے، یہ سب ایک طرف تھا، اور ایک اللہ کا بندہ جس کا نام احمد بن عبد الاحد السرہندی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی بارش ہو اُن پر، اُن کی قبر مبارک پر، اُن کی روح مبارک پر، وہ تھے، انھوں نے اپنے فرزندوں کو، اور اپنے خلفاء کو تیار کیا اس فتنے کے مقابلے کے لیے۔

فتنہ کیا تھا؟ یہ وہ فتنہ تھا جس کا سمجھنا اس وقت دوسرے زمانوں کے مقابلے میں بہت آسان ہو گیا ہے، اور یہ بات کوئی خوشی کی نہیں ہے، مسرت کی نہیں ہے، بڑی ہی غم اور فکر کی بات ہے کہ دورِ اکبری کا سمجھنا کسی اور زمانے میں اتنا آسان نہیں تھا جتنا اس زمانے میں، کہ جب اقتدار اور انتخاب کے ذریعے سے ملک کی سیاست و طاقت ان جماعتوں کے ہاتھ میں آ رہی ہے، اور ان افراد کے ہاتھ میں آ رہی ہے جو دورِ اکبری کا خواب دیکھ رہے ہیں، اور جن کے لیے دورِ اکبری کا خواب پورا کرنے کے زیادہ امکانات اور وسائل حاصل ہیں، مذہب کے رشتے سے بھی، اور ملک کے رشتے سے بھی، اور قدیم تاریخ کے حوالے سے بھی، وہ حضرت مجدد سرہندی ایک طرف ہیں، اور پورا اکبر کا دربار ایک طرف، اور اس میں بڑے مسلمان امراء بھی عبد الرحیم خان خاناں، اور سید فرید اور یہ حضرات بھی ہیں، جو بڑے گھرانوں کے چشم و چراغ ہیں اور شریف ترین اور ذہین ترین انسان ہیں، اس وقت کوئی تقابل نہیں تھا۔

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے جو ہمارے ندوۃ العلماء کے بانیوں اور سرپرستوں میں ہیں، انھوں نے حیدرآباد کی تقریر میں ایک بات کہی اور بڑا نکتہ بتایا، اور پھر اس کی تشریح مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے اپنے اس مضمون میں کی جو حضرت مجدد صاحب پر لکھا ہے اور 'الفرقان' میں چھپا ہے، کہ لوگ تاریخ پڑھتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ اکبر کے بعد جہانگیر آیا، اور جہانگیر اکبر سے بہتر تھا، آپ کو معلوم ہے کہ ایک زنجیر عدل اس نے لٹکائی تھی، اور جب اس نے کانگڑہ کا قلعہ فتح کیا تو وہاں سب سے پہلا کام جو کیا ہے، وہ یہ کہ مسجد بنانے کا حکم دیا، اور گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا، یہ بعد میں معلوم ہوگا کہ یہ بات کہاں سے آئی؟ تو اکبر کے بعد جہانگیر آتا ہے جو اس سے کہیں بہتر ہے، اور جہانگیر کے بعد شاہجہاں آتا ہے جو تخت طاؤس پر بیٹھنے پر اتر جاتا ہے اور سجدہ کرتا ہے، اور دو رکعت نماز پڑھ کے کہتا ہے کہ فرعون بڑا سبک سر اور بہت اوچھا

آدمی تھا کہ آبنوس کے تخت پر بیٹھا اور اس نے خدائی کا دعوی کیا، لیکن میں امت محمد یہ کا فرد ہوں، میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں، تو جہانگیر کے بعد شاہجہاں آتا ہے جو اس سے کہیں بہتر ہے، اور شاہجہاں کے بعد پھر محی الدین اورنگ زیب آتا ہے جو کہ صحیح معنی میں محی الدین اورنگ زیب ہے، اور آپ تاریخ پڑھ سکتے ہیں۔

تو نواب صدر یار جنگ مرحوم نے فرمایا کہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ عام قاعدہ یہ ہے کہ بد سے بدتر آتا ہے، اس لیے کہ وہ بد جو ہیں، اس کے اثرات ہوتے ہیں، اور پھر وہ جس حیثیت کا آدمی ہے، اور جو وسائل رکھتا ہے، اس کے مطابق اس کے اثرات پڑتے ہیں، تو اکبر اور اکبر کے اثرات کو، بلکہ اکبر کی جہانگیری کو، اس کی فتوحات کو، اور اس کی شہر کشائی کو، اور لشکر کشی کو دیکھیے کہ اس وقت سلطنت عثمانیہ کے خلیفہ کے بعد سب سے طاقتور سلطنت اس وقت اکبر کی سلطنت تھی، پورے ایشیا میں نہیں، بلکہ پورے عالم اسلام میں، اور سمجھئے کہ ایک حیثیت سے متمدن دنیا میں، تو اکبر کے بعد اس سے بدتر آدمی آنا چاہیے تھا، اس لیے کہ عام طور پر زمانہ انحطاط کی طرف چلتا ہے، اور برے اثرات کو قبول کرتا ہے، اور نشیب کی طرف جانا آسان ہوتا ہے، اور بلندی کی طرف جانا مشکل ہوتا ہے، کیا بات ہے کہ اکبر کے بعد جہانگیر آتا ہے جو اس سے بہتر، اور جہانگیر کے بعد شاہجہاں آتا ہے جو اس سے بہتر، اور شاہجہاں کے بعد محی الدین اورنگ زیب آتا ہے جو اس سے کہیں بہتر، جس کو علی الطنطاوی کہتے ہیں کہ وہ سادس الخلفاء الراشدین ہیں، ان کو چھٹا خلیفۂ راشد ماننا چاہیے، اور پورا مضمون ہے بقیۃ الخلفاء الراشدین کے عنوان سے، جس میں انھوں نے دکھایا ہے کہ وہ خلفاء راشدین کا ایک نمونہ تھے، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد ایسی مثال ملنی مشکل ہے۔

تو نواب صدر یار جنگ نے کہا کہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ کیا یہ فطرت انسانی کے، تجربۂ انسانی کے، تاریخ انسانی کے، نفسیات انسانی کے خلاف ہو رہا ہے، کہ ایک غلط آدمی ہے، اور وہ پورے اپنے غلط ہونے کا سایہ پھیلاتا ہے، اور وہ بالکل ڈھالنا چاہتا ہے اس سانچہ میں، لیکن اس کے برخلاف ہوتا ہے کہ اس سے بہتر آدمی آتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا کارنامہ ہے کہ انھوں نے اندر اندر ایسا انقلاب کیا کہ جو بعد میں آتا ہے وہ بہتر ہوتا ہے، چنانچہ سب کو معلوم ہے محی الدین اورنگ زیب ان میں سب سے بہتر تھا، اور اس کے حالات بالکل اولیاء اللہ کے سے ہیں، یعنی اس کے حالات کیا بیان کیے جائیں! انتقال کے وقت اس نے وصیت کی کہ یہ ڈیڑھ روپے دو روپے جو ہیں یہ میرے کفن میں صرف کیے جائیں، اس سے زیادہ میرے کفن میں صرف نہ کیا جائے، اس لیے کہ ٹوپی سی سی کر میں نے اس کی قیمت جمع کی ہے، اور باقی میرا جو ترکہ ہے اتنے سو اتنے ہزار کا، وہ میں نے قرآن شریف لکھ کر اس کو حاصل کیا تھا، وہ غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے، پھر روزے کی جو شان لکھی ہے سوانح نگاروں نے، اور میں اپنے والد صاحب کی کتاب کا حوالہ نہیں دوں گا، کہ بہر حال وہ عالم دین تھے، اور ان کے جذبات اور خاندانی اثرات تھے، لیکن منشی ذکاء اللہ صاحب اور پھر فاروقی صاحب کی کتاب جو انگریزی میں ہے، بہرائچ کے ایک وکیل تھے، سب سے بہتر کتاب ہے انگریزی میں، اور اس کے علاوہ ہمارے بشمبر ناتھ پانڈے صاحب، جو کل تک یہاں موجود تھے اور کل کے جلسے میں تھے، انھوں نے اپنی کتاب میں اورنگ زیب کا جو کیریکٹر دکھایا ہے، اس سب سے معلوم ہوتا ہے، یہ کیا بات ہے؟ یہ بالکل خرق عادت ہی ہے یا اس کو اتفاق پہ محمول کیا جائے؟ یہ حضرت مجدد صاحب کا اثر ہے کہ وہ اور ان کے تربیت یافتہ خلفاء اور سب سے بڑھ کر ان کے صاحب زادے حضرت خواجہ محمد معصوم، ان کی روحانیت، ان کا درد دل، ان کا سوز جگر، اور ان کی فکر اور دین سے ان کا عشق کام کر رہا تھا، کہ جو اب آتا تھا وہ پہلے سے بہتر ہوتا تھا، یہ حضرت مجدد صاحب کا میں ایک حوالہ دیتا ہوں۔

جہاں تک اورنگ زیب کا تعلق ہے، تو خیر وہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی سے بیعت تھے، انھوں نے خواجہ محمد معصوم کو بلانا چاہا، تو وہ تو کہاں آتے، انھوں نے اپنے صاحب زادے خواجہ سیف الدین کو بھیج دیا، وہ قصر سلطنت میں رہے، وہاں پہلے جاتے ہی وہاں کے ان منکرات کو دور کیا جو پہلے سے چلے آ رہے تھے، اور پھر اپنے والد صاحب کو خط لکھا کہ بادشاہ میں آثار ذکر ظاہر ہو چکے ہیں، اور خود حضرت خواجہ محمد معصوم کے مکاتیب دیکھیے جو بادشاہ کو لکھے ہیں، تو اس میں وہ ان کو شہزادۂ دیں پناہ لکھتے ہیں، جب وہ شہزادہ تھے، یہ ان کی فراست ایمانی اور ان کی روحانیت ہے کہ اس وقت جب اس کا کوئی امکان نہیں تھا، وہ لکھتے ہیں شہزادۂ دیں پناہ، وہ شہزادۂ دیں پناہ سلطان دین پناہ بن گیا، تو نواب صدر یار جنگ مرحوم نے فرمایا کہ لوگ نہیں دیکھتے کہ یہ کیوں ہو رہا تھا، یہ انحطاط کے بجائے ترقی کیوں ہو رہی تھی، بہتری کی طرف کیوں جا رہا تھا یہ خاندان مغلیہ؟ یہ اثر تھا حضرت مجدد الف ثانی کا۔

ایک ماں وہ تھی جس نے ایسے فرزند پیدا کیے، اور انھوں نے یہ کرامت دکھائی، اور یہ میں ایک اعجاز نہیں کہتا، معجزہ نہیں کہتا، لیکن یہ بالکل ایک خارق عادت چیز دکھائی، کہ تاریخ انسانی کے دفتر میں ایک نیا تجربہ ہوا۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور خدمت حدیث

اس کے بعد میں دوسرا نام لوں گا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا، اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقت میں یہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور دوسرے مدارس جن میں دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم، اور اس کے ہم مسلک جتنی درسگاہیں ہیں، وہ سب حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مدرسۂ فکر پر قائم ہوئے ہیں، سن لیں فضلاء جو جارہے ہیں کہ آپ اسی خاندان کے نونہال ہیں، آپ اسی شجرۂ طوبیٰ کی شاخیں ہیں، اور پتے ہیں، آپ کو کبھی اس شجرۂ طوبیٰ سے اپنا رشتہ نہیں توڑنا چاہیے، آپ کی سب سے بڑی کامیابی اور سعادت مندی اور آپ کی سعادت فرزندی یہ ہے کہ آپ اس شجرۂ طوبیٰ سے تعلق رکھتے ہیں، جس کی شاخ ہم سمجھتے ہیں کہ کم سے کم ہندوستان میں ہر صحیح العقیدہ، توحید خالص اور سنت سنیہ کی پیروی کرنے والے کے گھر میں ضرور ہوگی۔

اِس مادر علمی نے کیا کیا؟ مجھے معاف کیا جائے، میں یہ لفظ بولتا ہوں کہ اس سے زیادہ شفقت کا لفظ اور فطری تربیت کا لفظ اور جس کے لیے عربی میں بھی ’’امومت‘‘ سے بڑھ کر، حنانِ اُم سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں ہے، اس ولی اللّٰہی درسگاہ اور مادر علمی نے کیا کیا، کہ حدیث تقریباً ہندستان سے ناپید ہوچکی تھی، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ باہر سے حدیث لے کر آئے، لیکن وہ ان کے فرزندوں کے دائرہ میں محدود تھی، اور آپ اگر پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی کی کتاب جو ان پر ہے، اس کو پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ ان کے اثرات کیا پڑے، ان کے اثرات پڑے، اور وہ بہت ہی قابل اعتراف اور قابل شکر ہیں، اور وہ مستحق دعا ہیں۔

لیکن سچی بات یہ ہے کہ حدیث کے درس کی عمومیت، حدیث کی تحقیق، حدیث کی خدمت، اور صحاح ستہ کا درس، اور اس سے بڑھ کر سنت سنیہ کی اشاعت اور اس کی رغبت پیدا کرنا اور بدعات کے خلاف جہاد، اور بدعت کے خلاف محاذ آرائی، ایک پورا محاذ قائم کرنا، علمی محاذ، فکری محاذ، اعتقادی محاذ، عملی محاذ قائم کرنا، یہ فیض ہے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی درسگاہ کا۔

انھوں نے دہلی کے ایک محلّہ میں، ہم نے اس محلّہ کی زیارت کی ہے، اور اگر آپ والد ماجد مرحوم (رحمۃ اللہ علیہ) کا سفرنامہ ’’دہلی اور اس کے اطراف‘‘ پڑھیں، جو حضرت سید سلیمان ندویؒ نے اپنے حواشی کے ساتھ ’معارف‘ میں سب سے پہلے شائع کیا، اور پھر اس کے بعد وہ انجمن ترقی اردو (دہلی) کی طرف سے شائع ہوا، اور اس کے کئی ایڈیشن نکلے ہیں، تو (اب تو مکان بھی معلوم نہیں اس کے نشان ہیں یا نہیں) دہلی کے غریبوں کے ایک محلّہ میں، ایک بالکل دنیا کے سامان آرائش سے خالی، (محروم تو نہیں کہتا) ایک گوشہ میں ایک مکان تھا، وہاں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حدیث کا درس دینا شروع کیا، اور وہیں حجۃ اللّٰہ البالغۃ اور یہ کتابیں لکھی گئیں، یا کچھ سفر میں، اور وہاں صحاح ستہ کا درس دیا، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے درس دیا، اس درس سے کیسے لوگ پیدا ہوئے؟ شاہ اسحاق صاحب محدث اور حضرت شاہ محمد یعقوب محدث، شاہ عبدالغنی محدث، جن کے تلمذ کا سلسلہ دیوبند تک پہنچتا ہے، اور حضرت مولانا علامہ حیدر علی رامپوری مقیم ٹونک اور ایسے بڑے محدث اور عالم پیدا ہوئے، پھر اس کے بعد اِن لوگوں نے وہاں حرمین شریفین میں جا کر، حجاز میں جا کر حدیث کا درس دیا، اور حدیث عام ہوئی۔

تو میں نے یہ مثالیں مادر علمی، مادر روحانی، مادر تربیتی کی دیں، ان کے کارنامے کو میں نے بیان کیا، ایسی کئی اور مادر علمی کی مثالیں دی جاسکتی ہیں، اور ایک خنساء کا واقعہ بیان کیا جنھوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹوں کو میدان جنگ کے لیے رخصت کیا، یہ جانتے ہوئے کہ یہ شہادت زار ہے، یہاں آدمی اسی لیے جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں سر کٹائے، اور ان کی شہادت پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

آج کا فتنہ کیا ہے؟

اب میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ آپ کے لیے سعادت مندی کی بات، اور آپ کے لیے انتہائی شرافت کی بات، اور شکر گزاری کی بات، اور بلکہ خوش قسمتی اور بلند طالعی کی بات یہ ہے کہ آپ اس وقت یہاں سے نکلنے کے بعد اس وقت کے فتنے کو آپ سمجھیں، آج کیا ہے؟ میں آپ سے صاف صاف کہتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے استیصال (اور جس کو عربی میں حرکة الإبادة کہتے ہیں)، یعنی ان کی معنوی، اعتقادی، تہذیبی، ثقافتی نسل کشی کا پورا نقشہ تیار ہے، پورا منصوبہ تیار ہے، اور چونکہ مجھے دینی تعلیمی کونسل کی خدمت کا شرف حاصل ہے، اور شروع سے اس سے تعلق ہے، اور اس کے ذریعے سے بہت سی ایسی چیزوں پر نظر پڑجاتی ہے جن پر عام لوگوں کی نظر نہیں پڑتی، کہ اس وقت بی جے پی کے پاس بھی، اور جو ہندو فرقہ پرست لیڈر ہیں اور جن کو اپنی قوم میں مقبولیت حاصل ہے، اور وسائل حاصل ہیں، امکانات بھی ان کے لیے آسان ہیں، ان کے پاس پورا نقشہ بنا ہوا ہے کہ بہت ہی دل پہ پتھر رکھ کر اور بڑی اذیت کے احساس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے، کہ اس ملک کو (اس سے زیادہ اور میں نہیں کہہ سکتا)، اس ملک کو اسپین بنا دینا چاہتے ہیں، یہ نقشہ بالکل تیار ہے، اس میں کسی قسم کا تردد اور ابہام نہیں ہے، فیصلہ شدہ بات ہے، اور اسی کے لیے یہ سب آپ دیکھ رہے ہیں، یہ بابری مسجد کی شہادت، اور ان کے اس وقت جو جذبات ہیں، اگر

آپ ہندی کے اخبارات پڑھتے ہوں یا کم سے کم انگریزی ہی کے اخبارات پڑھتے ہوں، یا ان کے کسی جلسہ کی روداد آپ کو معلوم ہو، اور ان کی تقریروں کے اگر آپ خلاصے سن لیں، یا وہاں آپ شریک ہوسکیں، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس پر پورا اتفاق رائے ہوگیا ہے، پورا اجماع جیسے ہوتا ہے، کہ اس ملک میں اب یہ ایک نیا دور شروع ہوگا، اور اب یہاں مسلمانوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں، ان کو باہر چلا جانا چاہیے، اور اگر یہ رہیں تو اپنے ہر قسم کے ملی تشخص سے محروم نہیں، بلکہ بے زار ہوکر رہیں، ہر قسم کا تشخص جو ان کو ممتاز کرتا ہے غیر مسلموں سے، ان لوگوں سے جو مسلمان نہیں، ان سب خود دستبردار ہوں اور بے زار ہوں، اس کی تفصیلات میں میں جانا نہیں چاہتا اور اس کی طبیعت متحمل بھی نہیں ہے، لیکن اس کی تفصیلات آتی رہتی ہیں، اور اندیشہ ہے کہ اور زیادہ آئیں۔

آج پورا ایک دور اکبری شروع ہورہا ہے

تو اس وقت یہ ایک پورا دور اکبری شروع ہورہا ہے، لیکن دور اکبری سے زیادہ اس کے پاس اسلحہ اور سہولتیں اور مقبولیت کے ذرائع ہیں، اور یہاں کی تاریخ اور یہاں کی سرزمین اور یہاں کے جو تاثرات اور جذبات ہیں، ان سے زیادہ ہم آہنگی پائی جاتی ہے، کہ اکبر نے تو ایک ایسی چیز شروع کی تھی جس کے لیے ملک پورے طور پر تیار نہیں تھا، لیکن اب صحافت کے ذریعے، ایڈمنسٹریشن کے ذریعے، لٹریچر کے ذریعے، اور سب سے بڑھ کر پھر سیاسی انتخابات والکشن کے ذریعے ملک کو تیار کردیا گیا ہے کہ یہاں کی اکثریت اس پر تلی ہوئی ہے کہ اس ملک سے اسلام کا اخراج کردے، یا کم سے کم مسلمان اس ملک کو چھوڑ کر جانے پر مجبور ہوجائیں، جن میں ذرا بھی دینی حمیت ہے۔

اب میں آپ سے صاف صاف کہتا ہوں، اور اپنے اوپر حق سمجھتا ہوں کہ آپ سے یہ کہوں کہ اس وقت آپ کے لیے، بغیر کسی معذرت کے کہتا ہوں، اور اپنے عقیدے اور اپنے تجربے اور الحمدللہ اپنے اور اپنے متعدد ساتھیوں کے عمل و کردار کے اعتماد پر بھی کہتا ہوں کہ یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں، ایسی بات نہیں جو صرف خیالی ہے، اور جو صرف آپ سے کہی جارہی ہے، اور اس پر عمل نہیں ہورہا ہے کہ آپ کی کامیابی اس میں نہیں ہے، آپ کے حق فرزندی ادا کرنے کا یہ مظہر نہیں ہے کہ آپ یونیورسٹیوں میں جائیں، اور وہاں سے گریجویشن کریں، صاف صاف کہتا ہوں، میں انگریزی زبان کا مخالف نہیں، الحمدللہ انگریزی زبان سے واقف ہوں، انگریزی زبان سے، بہت فائدہ اٹھایا ہے، اور اپنی مجلسوں میں کہتا رہتا ہوں کہ تھوڑی سی انگریزی جاننی چاہیے، تاکہ آپ اسلامیات پر ایسا تقابلی مطالعہ پیش کرسکیں اور ان کتابوں کے حوالے دے سکیں، اور یہاں انگریزی نصاب درس میں داخل ہے، لیکن آپ اس کو مقصد بنائیں، آپ اس کو اپنی کامیابی کا معیار سمجھیں کہ آپ یونیورسٹیوں میں جائیں، اور بی. اے.، ایم. اے. کریں، اور اس کے بعد آپ کو کہیں لکچرر شپ مل جائے، کہیں اور آپ کو کوئی جگہ مل جائے، یہ آپ کی سعادت مندی اور حق فرزندی نہیں۔

یہ بھی صفائی سے کہتا ہوں کہ آپ کی سعادت مندی اور حق فرزندی یہ نہیں ہے کہ آپ خلیج عرب میں جائیں اور آپ وہاں نوکریاں تلاش کریں، جو آپ کو آسانی کے ساتھ مل سکتی ہیں اور آپ کے بہت سے بھائی، یہاں کے فضلاء وہاں ہیں، لیکن میں صاف صاف کہتا ہوں کہ ان میں سے کسی ایک چیز کے ذریعے بھی آپ یہاں کا حق نہیں ادا کرسکیں گے جس حق کا اظہار آپ نے بڑی بلاغت کے ساتھ، اور بڑی ادبیت کے ساتھ، اور بڑے اعادہ اور تکرار کے ساتھ اپنے قابل قدر مضامین میں کیا ہے، اور میں سنتا رہا ہوں کہ آپ نے اس دارالعلوم سے، اس کے اساتذہ سے، اپنے کس شریفانہ تعلق کا، اپنے فرزندانہ تعلق کا اور رابطہ کا اظہار کیا ہے، اس کا حق اس سے نہیں ادا ہوگا۔

اگر یہی کرنا تھا میرے عزیزو، پھر انگریزی پڑھتے اور آپ انگلینڈ اور امریکہ جاتے، اور وہاں بھی نوکریاں مل رہی ہیں اور ہمارے لاکھوں لاکھ پاکستانی ہندوستانی وہاں موجود ہیں، آپ نے عربی پڑھی، آپ نے قرآن، سب سے آخری چیز جو ہے اللہ کا کلام پڑھا، اور پھر اس کو براہ راست اسی زبان میں جس زبان میں اترا تھا، اس میں سمجھنے کی اہلیت پیدا کی، اور آپ نے حدیث پڑھی، اللہ کے رسول کا محفوظ کلام پڑھا، اور پھر آپ نے یہاں رہ کر مجددین کے حالات، مصلحین کے حالات پڑھے، انھوں نے کیسے کیسے نازک زمانے میں ملکوں کو سنبھالا ہے، معاشرے کو سنبھالا ہے، اور بعض اوقات پورے پورے براعظم میں دین پھیلا دیا ہے، حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی کے خلفاء تھے، اس کا انگریز مؤرخین بھی اعتراف کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ افریقہ میں جو اسلام پھیلا ہے، زیادہ تر قادری سلسلے کے مشائخ سے پھیلا ہے، ابھی انڈونیشیا، ملیشیا جو آپ کے قریب ہمسایہ ملک ہیں، یہاں اسلام کس کے ذریعے سے پھیلا؟ حضرموت کے سادات، اور حضرموت کے تجار اور یہ عرب کے ساحل کے قریب کے بسنے والے، وہاں گئے، یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اس کا ایک ثبوت بھی نہیں ہے کہ کوئی اسلامی لشکر انڈونیشیا اور ملیشیا وغیرہ گیا ہو، اور وہاں اس کے ذریعہ سے اسلام پھیلا ہو، نہ کوئی اسلامی لشکر چین گیا ہے اور نہ ہی یہاں ان ملکوں میں گیا ہے، جن کا میں نے ابھی نام لیا، جنوبی ایشیا کے یہ ملک ہیں، یہ ان مسلمان تاجروں اور سادات، اور طریقۂ غزالیہ کے شیوخ اور دوسرے

شیوخ کے ذریعے سے مسلمان ہوئے۔

تحفظ دین کا عہد کیجیے!

تو آپ کی اس میں جو کچھ کہیے، کہ جیسے برّ بالوالدین ہوتا ہے، برّ بالمدرسة، برّ بالاساتذہ اور دین کی نعمت کی قدردانی اور شکرگزاری یہ ہے کہ آپ یہ بات طے کرلیں کہ یہاں سے نکلنے کے بعد اسلام کو اس ملک سے مٹنے نہیں دیں گے، اور ملت کو اپنے پورے تشخصات کے ساتھ، یہاں تک کہ آج لوگ کہتے ہیں، یہ کہنے لگے ہیں کہ پرسنل لا کے مسئلہ پر اتنا اڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا تھا اگر ہوجاتا اور دائمی نفقہ ملتا؟ یہاں تک لوگ کہنے لگے ہیں، بعض ایسے لوگ جو صاحب فکر سمجھے جاتے ہیں۔

لیکن نہیں! اُمتوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب تک کہ ان چیزوں پر آدمی نہ جمے جن میں تھوڑی بہت اجازت ہے ہٹنے کی، اس وقت تک ان چیزوں کی بھی حفاظت نہیں ہوسکتی جن کی پوری پوری حفاظت، کلی حفاظت ضروری ہے۔

تو آپ یہاں سے ارادہ کرکے نکلیں، وقت ہوگیا ہے، میں زیادہ طول بھی نہیں دینا چاہتا، کہ اگر صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے اعتماد پر کہتا ہوں کہ اگر صرف یہ مجمع، یہاں سے نکلنے والے یہ فضلاء یہ طے کرلیں کہ ہم اپنی زندگیاں، اپنی توانائیاں، اپنی ذہانتیں، اپنی محنتیں سب اس پر صرف کردیں گے کہ یہاں سے اسلام باہر جانے پر مجبور نہ ہو، اور یہ اپنے پورے تشخص کے ساتھ رہے، اور اپنے علم دین کے ساتھ رہے، یہاں مدارس ہوں، مکاتب ہوں، اور قرآن وحدیث کی تعلیم ہوتی ہو، تو بالکل ممکن ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حالات میں انقلاب پیدا کردے، اور اس کا سہرا آپ کے سر بندھے، یا اس دارالعلوم کے بانی، اور دارالعلوم دیوبند کے بانی، میں ان سب کو کہتا ہوں، ان سب کو ایک کنبہ اور ایک خاندان سمجھتا ہوں، کہ ان کے بانیوں کو اس کا ثواب ملے گا، اور اب جو کچھ امید ہوسکتی ہے وہ ان مدارس کے فضلاء ہی سے ہوسکتی ہے، باقی سب کا تجربہ ہوچکا، ہمارا اپنے رہنماؤں کا، اپنے مفکرین کا، اور اخبار نویسوں کا، مضمون نگاروں کا، سب کا تجربہ ہوگیا کہ اس پر ان میں وہ ثابت قدمی، اور وہ استقلال نہیں ہے جو ہونا چاہیے، جس کی اگر امید کی جاسکتی ہے تو مدارس عربیہ کے فضلاء سے۔

آپ اپنے طور پر اللہ سے عہد کریں، یہاں نہ کسی اعلان کی ضرورت ہے، اور نہ کسی اظہار کی ضرورت ہے، آپ اللہ سے دعا بھی کریں، اور اللہ سے عہد وپیمان بھی کریں کہ ہم ان شاء اللہ اس دین کے تحفظ کی پوری کوشش کریں گے، اور اپنی پوری صلاحیتیں اس پر لگادیں گے۔

رزق کا اللہ متکفل ہے

اور یہ میں آپ سے، اذان ہورہی ہے، اس اذان کی برکت وحرمت کے سایہ میں، اس کی آواز کے سایہ میں کہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو فاقے سے نہیں رکھے گا، اور آپ کو دوسروں سے زیادہ عزت کے ساتھ کھلائے گا ان شاء اللہ، اور آپ کے دسترخوان پر وہ لوگ ہوں گے کہ جو رئیسوں کے دسترخوان پر نہیں ہوتے، ان گنہگار آنکھوں نے دیکھا ہے، مولانا مدنی کا دسترخوان دیکھا ہے، حضرت شیخ الحدیث کا دسترخوان دیکھا ہے، اپنے بزرگوں کے دسترخوان دیکھے ہیں، کیا کسی امیر کو نصیب ہوں گے ایسے معزز مہمان، اور ایسے کثیر التعداد مہمان، اور ایسے کثیر الانواع اطعمہ، کہ جو اُن کو نصیب تھے۔

تو آپ بالکل اطمینان رکھیے کہ رزق کا اللہ تعالیٰ متکفل ہے، اور اس کے لیے آپ اپنی یہ بضاعت، اپنا یہ سرمایہ جس کا آپ نے بڑے تفاخر کے ساتھ اور بڑے تشکر کے جذبہ کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس کو آپ ان چھوٹی چھوٹی نوکریوں پر جو خلیج میں، سعودی عرب میں مل جاتی ہیں، یا یہاں جو آپ انگریزی پڑھ کرکے کہیں کسی کالج میں لگ جائیں، کسی اسکول میں آپ لگ جائیں، اس پر آپ اس کو قربان نہ کریں، اس کی قیمت صرف اللہ ادا کرسکتا ہے، اور اس کی قیمت صرف اللہ کے پاس ہے، اور وہ کیا ہے؟ "وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ" [سورہ توبہ:۷۲]۔

بس میں اس پر ختم کرتا ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق دے ہمارے ان عزیزوں کو، کہ ان میں سے، جی تو چاہتا ہے کہ کل سو فیصدی، لیکن اس میں سے ان کی بیشتر تعداد، ان کی اکثریت اس بات کا عہد کرے کہ ہم ان شاء اللہ اپنی ساری توانائیاں لگادیں گے دین کی حفاظت میں، اور ملت کے تشخص کی حفاظت میں اور اس ملک کو اسپین نہیں بننے دیں گے، بلکہ ہوسکتا ہے ہم اللہ سے دعا کریں گے کہ یہاں اسلام کے قبول کرنے کا دروازہ کھلے، اور اس کے بھی آثار ہیں، میں آپ کو صاف بتادیتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ بالکل خارق عادت طریقے پر یہ بات ظاہر ہو، اس سلسلے میں اتنا عرض کردوں کہ میرے پاس خطوط آرہے ہیں اور اخبارات بھی کہ جن لوگوں نے بابری مسجد کو شہید کیا، اُن میں بڑی تعداد پاگل ہورہی ہے، اور پھر ان میں سے بہت سے وہ جو دعاؤں کے ذریعے پھر ٹھیک ہوگئے، تو وہ اسلام قبول کررہے ہیں، اس کے لیے اس کی بھی شہادتیں پیدا ہورہی ہیں، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت سے، اور اس کا جو دین سے تعلق ہے، اس کے لحاظ سے یہ بات کوئی بعید از قیاس نہیں ہے، اور ناممکن نہیں ہے، لیکن آپ ارادہ کریں اور اپنی زندگیوں کے متعلق فیصلہ کریں، پھر اللہ تعالیٰ ہر چیز کا متکفل ہے وهو خير الرازقين، و صلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا و نبينا محمد و على آله و صحبه أجمعين۔

☆☆☆☆☆

جهد مسلسل

خطبۂ صدارت اجلاس مسلم پرسنل لا بورڈ

منعقدہ حیدرآباد، بتاریخ ۲۲-۲۴/جمادی الاول ۱۴۳۹ھ/ ۹-۱۱/فروری ۲۰۱۸ء

● ....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

الحمد لله رب العالمين، والصلاة و السلام علىٰ سيد المرسلين خاتم النبيين سيدنا محمد ،وعلىٰ آله و صحبه الغر الميامين،ومن تبعهم بإحسان ودعا بدعوتهم إلى يوم الدين، أما بعد!

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس چھبیسویں اجلاس میں ہم آپ سب کا خیر مقدم کرتے ہیں، یہ اجلاس ہندوستان کے مشہور شہر حیدرآباد میں منعقد ہورہا ہے، یہاں کے مؤقر حضرات کی طرف سے اس اجلاس کے منعقد کرنے کی پیشکش کی گئی تھی، یہ ان کی طرف سے بورڈ کی اہمیت اور اس کے کام کی افادیت محسوس کرنے کا اظہار ہے، ہم ان کی پیشکش کو قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں اور شکر گذار ہیں، خاص طور سے اجلاس کی مجلس استقبالیہ کے منتظم جماعت اتحاد المسلمین کے صدر جو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن عاملہ بھی ہیں، جناب اسدالدین اویسی صاحب اور ان کے رفقاء محترم رحیم الدین انصاری صاحب ودیگر حضرات کے ممنون ہیں، جو اس اجلاس کے انعقاد کی ذمہ داری انجام دے رہے ہیں، یہ شہر اپنی ثقافت وتہذیب اور اپنے دور نوابان کی وجہ سے ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں اپنی ایک شہرت رکھتا ہے، اس شہر میں اسلامی تہذیب کی جھلک اور مسلمانوں کی چھاپ نمایاں ملتی ہے۔

مسلمانوں کی یہ ملت اس ملک میں دوسروں کے مقابلہ میں اگرچہ اقلیت کی صفت رکھتی ہے لیکن اس کے ملی معاملات دوسروں کی ملتوں سے الگ اور زیادہ وسعت و اہمیت رکھتے ہیں جو صرف انسانی زندگی کے رواجی معاملات تک محدود نہیں ہیں، بلکہ اپنا ایک وسیع اور جامع ضابطہ کار رکھتے ہیں جو صرف عام ملی پسند اور رواج تک محدود نہیں ہیں بلکہ وہ ملی تشخص اور ضروری ضابطہ حیات کی صفت بھی رکھتے ہیں، جن سے ہم اس سے باہر کی کسی تجویز وطلب پر دست بردار نہیں ہوسکتے، ہمارا ضابطۂ حیات اس کائنات کے خالق و مالک اللہ رب العالمین کا عطا کردہ ہے، اس میں ہم کسی غیر کی کیا، اپنی خواہش سے بھی تبدیلی نہیں لاسکتے، سوائے اس کے جس کی اور جتنی اجازت ہمارے پروردگار کی طرف سے ملی ہو، ایسے کسی اجازت کے عطا کردہ معاملہ میں ہماری رہنمائی ہمارے مذہبی قوانین کے ماہرین یعنی معتمد علمائے دین ہم سب کے رب اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ کتاب قرآن مجید اور اس کے خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ملتی ہو۔

اور جہاں تک ہمارے ملک ہندوستان کا تعلق ہے تو اس کے دستور کے مطابق ملک میں موجود مذاہب کو اپنے اپنے مذہب کے سلسلہ میں اپنے اپنے مذہبی اصولوں اور احکام کے مطابق عمل کرنے کا اختیار دیا گیا ہے جو ہم کو ایسا حاصل شدہ حق ہے کہ مذہب کے کسی معاملہ میں ملک کے کسی دوسرے مذہب اور ملت کو کسی مداخلت کا حق نہیں، مذہبی معاملات میں دستور ہند کی طرف سے اس اختیار کے ساتھ انسانی سطح پر ہم میں سے ہر شخص کو یہ اختیار حاصل ہے کہ نجی زندگی کے دائرہ میں اپنی پسند کے مطابق عمل کرے، اور جہاں تک نکاح وطلاق کے معاملات ہیں جو ایک طرح سے نجی عمل بھی ہے، اور اسلامی شریعت کے تحت بھی آتا ہے، اس سلسلہ میں ہمیں جو حق حاصل ہے، ہم کسی اکثریت یا اقلیت کے دباؤ سے اپنے اس حق سے دستبردار ہونے والے نہیں ہیں۔

آج کل ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی ملت وشریعت کے مقرر کردہ بعض معاملات میں بعض با اثر واصحاب اقتدار حضرات کی تجویز وطلب سے سابقہ پڑ رہا ہے، جو ہماری ملت اسلامیہ کے ملی و شرعی حقوق و اختیارات کو بدلنے کی کوشش کی حیثیت رکھتی ہے ، ہماری ملی طاقت و اجتماعی وحدت کو اس صورتحال کا سامنا ہے اس کے لیے ہماری یہ اہم ضرورت ہے کہ ہماری وحدت جس حد تک ممکن ہو برقرار رہے، حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ملک کے بااختیار شہری کی حیثیت سے جو قابل عمل ہو اس کو کرنا ہے، ہمارے خالق رب العالمین نے فکری و عملی سطح پر امت مسلمہ کو بہتر صلاحیتیں عطا کی ہیں جن کے عمل میں حالات کے فرق کے لحاظ سے اختلاف بھی ہوسکتا ہے، جو بعض وقت تعارض ومخالفت تک پہونچا دیتا ہے، لیکن ضروری امر یہ ہے کہ وہ نقصان رساں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے کہ ہمارا بورڈ جو ملت کے مذہبی معاملات اور تحفظ شریعت کے مقصد سے قائم کردہ ہے، اپنے متنوع رجحانات کو متحد رکھے ہوئے ہے، بورڈ کی اس خصوصیت کی بناء پر کہ وہ پوری امت اپنے متنوع مسائل کے باوجود شریعت اسلامیہ کے تحفظ کے بقاء کو مشترکہ فریضہ

سمجھتا ہے، اس کے اندر جو فرق و اختلاف ہے وہ امت کا داخلی دائرہ کار کا ہے لہٰذا باہر کی کوئی مداخلت امت کے لیے قابل قبول نہیں، اور ہندوستانی دستور بھی اس کی پوری اجازت دیتا ہے کہ ہم اپنے مذہبی حقوق میں آزاد ہیں۔

عبادت گاہ اور اس کے حقوق مذہبی نوعیت کے ہوتے ہیں، بابری مسجد کو عبادت کی حیثیت صدیوں سے حاصل رہی ہے، اس کو اکثریتی طاقت اور برسر اقتدار افراد کی اپنی پسند سے بدلنے اور گرانے کا عمل کھلے عام کیا گیا، جو کھلی دہشت گردی کا عمل ہے، جس کو مسلمان اور اس کے نمائندہ ہمارا مسلم پرسنل لا بورڈ ایسی لاقانونی رویہ کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتا، اور اس کھلے ہوئے پرتشدد رویہ کو نظر انداز نہیں کرسکتا، لہٰذا اس نے اس عمل کے خلاف پرامن قانونی کارروائی کرنا اپنی ذمہ داری سمجھی ہے۔

اسی طرح شریعت اسلامی کے جو دیگر احکام ہیں، ان میں نکاح و طلاق کے معاملہ میں بھی مداخلت سامنے آئی ہے، نکاح وطلاق کا عمل دو افراد یعنی مرد وعورت کے مابین باہمی معاہدہ کی حیثیت رکھتا ہے، اور وہ مذہبی احکام کے تحت مذہبی حیثیت بھی ہے، اس میں اگر باہمی تعلق کے اس معاہدہ کو قائم رکھنا ناقابل برداشت ہوجائے تو شرعی حکم کے لحاظ سے معاہدہ کو ختم کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اور ایسے موقع کے لیے پہلے اہل تعلق کے عزیزوں کی طرف سے اصلاح حال کی کوششوں کے کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور مرد وعورت کے عائلی تعلق کے ضرورت کے طور پر اس کو انسانی ضرورت قرار دیا گیا ہے باہمی تعلق کا یہ رشتہ اگر ناقابل برداشت حد تک پہونچ جائے تو نکاح کا یہ معاہدہ ختم کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور اس کو مذہبی عمل کی حیثیت بھی دی گئی ہے، اس کا جو طریقہ مقرر کیا گیا ہے وہ بدلا نہیں جاسکتا، اس طرح یہ معاملہ بھی ہمارے بورڈ کی ذمہ داری میں آتا ہے اور شرعی مسئلہ ہونے کی بناء پر مذہبی احکام کے دائرہ کے اندر آتا ہے، اس لیے بورڈ اس میں کوشاں ہے۔

اسلام کے مذہبی قوانین اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے ماخوذ ہیں، اس طرح وہ آسمانی ہدایات ہیں، اور اس کی بناء پر ناقابل تغیر اور ناقابل تنسیخ ہیں، اس کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے اس میں کسی طرح کی ترمیم کرنا یا ترمیم کا مشورہ دینا قابل قبول نہیں ہے، اور ہندوستان کے دستور کے سیکولر ہونے کی بناء پر ان کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ اپنے مذہب کے مطابق عمل کریں، اور اس میں کسی کی مداخلت کو قبول نہ کیا جائے۔

موجودہ حالات میں بورڈ اپنی توجہ امور ذیل پر مرکوز کرتا ہے:

☆ ایک تو نکاح وطلاق کے مسئلہ میں جس پر حکومت مسلمانوں پر پابندی عائد کررہی ہے۔

☆ دوسرا مسئلہ بابری مسجد کا مقدمہ ہے جس میں بورڈ اس کی بحالی کے معاملہ میں اپنی کوششیں صرف کررہا ہے۔

☆ تیسرا مسئلہ مسلمانوں کو شریعت کے احکام سمجھانے کا ہے، مسلمانوں کا پرسنل لا چوں کہ مذہبی حیثیت رکھتا ہے اس طرح جب عبادت کی ادائیگی کے لیے اس کے طریقہ اور احکام معلوم کرنا ہوتا ہے تاکہ صحیح عمل کیا جائے، اسی لحاظ سے ہم کو نکاح وطلاق اور میراث و دیگر احکام کو جاننے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی ضرورت بھی ہے لہٰذا بورڈ شریعت کے مسائل و احکامات سے لوگوں کو روشناس کرانے کی مہم بھی چلانا ضروری قرار دیتا ہے۔

طلاق کے مسئلہ میں اٹھنے والے اعتراضات اکثر ان لوگوں کی طرف سے ہیں، جو شریعت کے احکامات سے ناواقف ہیں، حکومت کا جو رویہ اس وقت سامنے آرہا ہے، بورڈ شریعت کے تحفظ کے لیے جمہوری اور دستوری طریقہ سے کوشش کررہا ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی معاملہ سے ضروری حد تک واقفیت ہو، اس متعدد مذاہب رکھنے والے ملک کے لیے کسی طرح صحیح نہیں ہے، کہ اکثریتی طبقہ ملک کے ایک خاص طبقہ کو اس کے مذہبی معاملات پر عمل کرنے سے روکے، اس سے ملک کے باشندوں میں جو بے چینی پیدا ہوسکتی ہے، وہ ملک کے لیے بھی مضر ہے۔

ہم مسلمانوں کو اپنے مذہبی ضوابط پر عمل کر کے اس بات کا ثبوت دینا چاہئے کہ وہ عملی طور پر بھی مذہبی ضوابط کے پابند ہیں، جو کوتاہیاں ہوں ان کو دور کرنے کی طرف توجہ کریں اور اسلام کے متعلق جو بھی غلط فہمی پیدا ہو اس کے ازالے کی طرف توجہ رکھیں، لہٰذا مسلمانوں کی مذکورہ بالا مذہبی تحفظ کی ضرورت کے لیے بورڈ نے اصلاح معاشرہ، دارالقضاء، تفہیم شریعت اور دستوری وسائل اختیار کرنے کے لئے شعبے قائم کررکھے ہیں، جو الحمدللہ بورڈ کی افادیت اور کارکردگی کی علامت ہے، ان شعبوں کے علاوہ ہمارے ارکان کو بھی اپنی اپنی جگہ پر احکام شریعت سے واقف کرانے کے لیے کوشش کرنا چاہیے۔

ہمارے بورڈ کے ارکان نے آپس میں جو یک جہتی کا رویہ قائم کیا ہے، وہ مسرت کا باعث ہے اور اس سے ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے مذہب کے تقاضوں کو پورا کرنے میں جو مدد مل رہی ہے وہ ان شاء اللہ ملتی رہے گی جو ملت کے مقصد کار میں نفع بخش رہے گی۔

بورڈ کے قیام پر چھیالس (۴۶) سال گذر چکے ہیں، وہ ملت اسلامیہ ہند کی عظیم و کارگذار شخصیتوں کے ذریعہ سے وجود میں آیا، اور ان شخصیات کے عہد میں بورڈ کو اہمیت وقوت حاصل ہوئی، اس وقت سکریٹری جنرل مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب اور ان کے رفقاء اس ذمہ داری کو سنبھالے ہوئے ہیں، اور اپنے تجربہ وحسن عمل سے بورڈ کو تقویت پہونچا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کی خدمات کو قبول فرمائے۔

ہمارا یہ اجلاس ملک کے خاص حالات میں منعقد ہو رہا ہے، وہ ان حالات کے تناظر میں غور کرے گا، اور آئندہ کے لیے لائحہ عمل طے کرے گا، تمام ارکان بورڈ سے ملت کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے پورے تعاون کے ملنے کی امید ہے، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے ساتھ کی جانے والی مخلصانہ کوششیں کامیاب ہوتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ ہی ہماری اصل طاقت ہے، اور وہی ہماری کامیابی کی کلید ہے۔

بورڈ کے ذمہ داروں نے اپنے قیام کے وقت سے برابر جس فکر وتوجہ سے بورڈ کو منظّم رکھا اور حسن کارکردگی دکھائی، وہ ملت اسلامیہ کے سامنے ہے اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ بورڈ اس کی مدد سے اپنی قیمتی خدمات انجام دیتا رہے، اور اللہ کی مدد و نصرت سے ہی تمام کام انجام پاتے ہیں۔

حیدرآباد کے معاونین اور مجلس استقبالیہ کے اراکین نے جس فکر وتوجہ سے کام لیا ہے اور بورڈ کا تعاون کیا ہے ہم اس کی پوری قدردانی کا اظہار کرتے ہیں اور ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

☆☆☆☆☆

سید احمد شہیدؒ اکیڈمی کی تازہ پیشکش

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی فکرودعوت کے اسلوب، اس کے مختلف پہلو اور عصر حاضر میں اس کی افادیت ومعنویت سمجھنے کے لیے ایک بہترین ومعاون کتاب

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

منہجِ فکر ودعوت

از:- بلال عبدالحی حسنی ندوی

صفحات:-120 قیمت:-80رابطہ:

رابطہ: سید احمد شہید اکیڈمیؒ رائے بریلی

موبائل نمبر:9919331295

دعائے مغفرت

☆ شہر لکھنؤ کے معروف معالج ڈاکٹر عرفان قدیر کی والدہ محترمہ کا ۲۷/جمادی الثانی ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۶/مارچ ۲۰۱۸ء جمعہ کو ۹۳ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔
تدفین بلاقی اڈہ قبرستان میں بعد نماز عشاء ہوئی، یہیں مرحومہ کے شوہر سید عبدالقدیر مدفون ہیں، مرحومہ کی تین اولاد میں لڑکی کا ۵/برس کی عمر ہی میں انتقال ہوگیا تھا، اور ابھی پچھلے سال بڑے لڑکے سید سلمان قدیر ایڈوکیٹ کا بھی انتقال ہوگیا، اور اب صرف ڈاکٹر عرفان قدیر ہیں، مرحومہ نماز روزہ کی پابند تھیں، نہایت خلیق، نیک سیرت، مہمان نواز اور خاموش طبیعت کی مالک تھیں، شوہر محترم کا انتقال ۵۴ سال کی عمر میں ۲۲/جنوری ۱۹۶۸ء کو ہوگیا تھا۔

☆ جامعۃ النور پٹن کے خصوصی معاون جناب عثمان بھائی کی اہلیہ محترمہ کا جمعہ ۵/رجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۳/مارچ ۲۰۱۸ء کو انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، اور پسماندگان کو صبر جمیل دے، آمین۔

قارئین 'تعمیر حیات' سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ ☆☆☆

سرورِ کونینؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام پر ایک نظر

ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم

دنیا میں لاتعداد مذاہب ہیں، ان میں کئی توحید پرستی پر مبنی ہیں، متعدد مذاہب کے پیروکاروں کی تعداد کروڑوں میں ہے، ممکن ہے اسلام اپنے پیروکاروں کی تعداد کے اعتبار سے سب سے بڑا مذہب نہ ہو: مگر یہ ایک زندہ اور فروغ پذیر مذہب ہے، دنیا کے تمام مذاہب اور لادینی عناصر اس کے خلاف مصروف عمل ہیں، کیونکہ یہ ایک آفاقی دین ہے، اور کسی خطے یا نسل تک محدود نہیں، اسلام میں کسی بھی قومیت میں سرایت کرنے کی صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے، تاہم ہمارا موضوع اسلام نہیں، بلکہ اس عظیم دین کا داعی ہے۔

ادیان کی تاریخ عالم میں یہ کلیہ ہے کہ ہر شخص اپنے مذہب کے بانی کی زندگی اور جد و جہد کے بارے میں بہت کم جانتا ہے، اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کو اپنی دنیاوی زندگی کے دوران زیادہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی، ان کے لائے ہوئے دین کو ان کی موت کے بعد ہی وسعت ملی اور ترقی حاصل ہوئی، ادیان کے ان بانی حضرات کی تعلیمات اپنی اصل شکل میں نہیں بلکہ جستہ جستہ ہم تک پہنچی ہیں، ان مذاہب کے پیروکاروں نے تاریخ کے عمل کے دوران اپنے ادیان کو وقت کے تقاضوں کے مطابق بنانے کے زعم میں ان کیا اصولوں اور عملی پہلوؤں میں کئی تبدیلیاں کردیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قاعدہ کے تمام اصول وضوابط میں ایک استثناء ہیں، ان کی زندگی کے بارے میں آنکھوں دیکھے احوال پر جلدوں کی جلدیں موجود ہیں، جن میں ان کی پوری زندگی کے ایک ایک لمحے کی تفصیل درج ہے، ان کے ذاتی اعمال، ان کے دور اور معاشرہ کی ذرا ذرا سی تفصیل بھی بیان کردی گئی ہے، رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی میں ہی عظیم ترین کامیابی سے ہم کنار ہوئے، جب حجۃ الوداع کے موقع پر انہوں نے ایک لاکھ چالیس ہزار سے زائد مسلمانوں کے عظیم اجتماع سے خطاب کیا جو مختلف علاقوں سے حج کا فریضہ ادا کرنے مکہ معظمہ آئے تھے، ان سے کئی گنا مسلمان اپنے گھروں میں موجود تھے، کیونکہ مسلمانوں پر ہر سال حج کرنا فرض نہیں، نہ ہی ان پر یہ فرض تھا کہ وہ کسی خاص سال کے موقع پر ضرور ہی حج کعبہ کو جائیں، بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی اسلام کو زبردست کامیابی نصیب ہوئی، مگر اسلام کے داعی کی زندگی میں ان کی تعلیمات کو جو کامیابی حاصل ہوئی، تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، جہاں تک رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا تعلق ہے قرآن حکیم لفظ بلفظ ہم تک پہنچا ہے، اس کی زبان وہی ہے جس میں وہ نازل ہوا تھا، اور یہ جس انداز میں ہم تک آیا ہے، وہ قابل اعتماد ہے، چودہ صدیاں گزر گئیں، اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے پیدائش یا دنیا میں کسی اور جگہ قرآن میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کی ضرورت کسی نے محسوس نہیں کی، ہم جانتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح نماز ادا کرتے تھے، روزہ کیسے رکھتے تھے، اور انہوں نے حج کس انداز میں کیا تھا: چنانچہ تمام مسلمان آج بھی ان روحانی فرائض کو عین اسی طرح انجام دیتے ہیں، جس طرح رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انجام دیے تھے، دوسرے متعدد مذاہب کے پیروکاروں کی طرح ایسے مسلمانوں کی بھی کمی نہیں جو اپنے دین پر عمل نہیں کرتے، بلکہ بعض تو محض نام کے مسلمان ہیں، اس کے باوجود کسی مسلمان نے خواہ وہ محض نام کا مسلمان ہی کیوں نہ ہو دین اسلام کو وقت کے تقاضوں کے مطابق بنانے کے لیے اس میں ترمیم و تنسیخ کی ضرورت محسوس نہیں کی، خود ہمارے دور میں تمام مذاہب میں اصلاح کی تحریکیں سرگرم عمل ہیں، مگر یہ عجیب بات ہے کہ دوسرے مذاہب کو تو جدید دور کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے قابل بنانے کے لیے ان میں ترمیم و تنسیخ کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے، کسی مذہب کے بانی کو اس سے بڑا اخراج عقیدت بھلا اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس کی تعلیمات آج بھی زندہ ومتحرک ہیں، اور ان میں ذرہ برابر تبدیلی کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی جارہی ہے۔

دنیا کی مختلف زبانوں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح پر ہزاروں کتب موجود ہیں، ان کے مصنفوں میں اسلام کے دوست اور دشمن سبھی شامل ہیں، تمام مصنف خواہ وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند کریں یا محض اس

بات پر ناپسند کریں کہ ان مصنفوں کا تعلق اسلام کے مخالف مذاہب سے ہے، اس بات پر متفق ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عظیم انسان تھے، جن مصنفوں نے جان بوجھ کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور تعلیمات کو توڑ مروڑ کو پیش کیا ہے- اور ایسے مصنفوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے- دراصل وہ بھی انہیں بالواسطہ طور پر خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں، وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں، کیونکہ وہ اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ اگر انہوں نے اسلام کی صحیح تصویر پیش کر دی تو ان کے ہم مذہب 'گمراہ' ہو جائیں گے، جنہیں وہ قبول اسلام سے روکنے کے لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بے سرو پا کہانیاں گھڑ کر سناتے رہتے ہیں، اس طرح کی ذہنی بددیانتی آج بھی جاری ہے، یہ بات تحیر خیز ہے کہ جدید مغرب کے زبردست مادی اور دوسرے وسائل کے باوجود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے خلاف پروپیگنڈہ کوئی نتائج پیدا کرنے میں ناکام رہا ہے جن کی توقع اتنی بڑی تعداد میں کتابوں کی اشاعت، ریڈیو، ٹی وی نشریات اور فلموں کی نمائش کے بعد کی جا سکتی ہے، ہم نہیں جانتے کہ جتنے وسائل عیسائی مشنریوں اور کمیونسٹوں کو حاصل ہیں، اگر اسلام اتنے ہی وسائل سے بہرہ ور ہوتا تو دنیا کا رخ کیا ہوتا، لیکن اس کے باوجود یہ ایک عیاں حقیقت ہے کہ مسیحی اور کمیونسٹ مغرب دونوں میں اسلام نہایت تیزی سے پھیل رہا ہے، دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد تیس سال کے دوران انگلستان میں کوئی ایک سو سے زائد مساجد کی تعمیر ہوئی ہیں، جرمنی اور فرانس بھی اس میدان میں انگلستان سے پیچھے نہیں، امریکی سفید فاموں میں بھی قبول اسلام کے واقعات کی کمی نہیں، چنانچہ اسلام کو گلے لگانے والوں میں سفرا، پروفیسر اور دیگر معزز پیشوں سے تعلق رکھنے والے افراد شامل ہیں، یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ ہر سال سینکڑوں سیاح استنبول میں مشرف بہ اسلام ہوتے ہیں، جہاں اناطولیہ کی نسبت مذہبی جوش وخروش زیادہ نہیں ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کا رشتہ زندگی کے ہر شعبہ سے قائم ہے، وہ محض مافوق الطبیعیات عقائد تک محدود نہیں، وہ انسان کی روحانی زندگی کے ساتھ ساتھ دنیوی زندگی کے لیے بھی اصول و قواعد بیان کرتے ہیں حتی کہ سیاسیات بھی ان کی تعلیمات کے دائرہ سے باہر نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام انسان کی پوری زندگی کی تعمیر میں مدد دیتا ہے، دوسرے مذاہب کی طرح محض روحانی پہلو پر نظر نہیں رکھتا اور نہ ہی سیاست کو محض حکمرانوں کے رحم وکرم پر چھوڑتا ہے۔

ہم بہ آسانی کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے پیروکاروں کی زندگی اور ذاتی رویہ پر دین اسلام کے اثرات دوسرے مذاہب کی نسبت گہرے ہیں، یہ مذاہب آفاقیت کے دعویدار تو ہیں، مگر وہ اپنے پیروکاروں میں نسل اور رنگ کا تعصب تک ختم کرنے میں ناکام رہے ہیں، میں نے ۱۹۳۲ء میں انگلستان کی ایک مسجد میں ایک انگریز مؤذن دیکھا، اس نے بڑے فخر سے اپنا نام بلال رکھا ہوا تھا، جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حبشی نژاد مؤذن کا نام تھا، یہ کتنی نرالی بات ہے کہ فن لینڈ کے ایک شخص عقیل نے جو سویڈن میں آباد ہے، محض مطالعہ کے بعد اسلام قبول کر لیا، حالانکہ قبل ازیں کسی مسلمان سے اس کا تعارف نہ تھا، پھر فرانسیسی نژاد گینن کو بھی اس نے مشرف بہ اسلام کیا، گینن کے پیروکار فرانس، سوئزرلینڈ اور دوسرے علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور سیکڑوں افراد کو حلقۂ اسلام میں داخل کر چکے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ مغرب والوں کو صرف فخر الدین رازی نے ہی نہیں محی الدین ابن عربی نے بھی زبردست متاثر کیا ہے، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ کافر ہلاکو خاں نے عالم اسلام کو فتح کر لیا اور عباسیوں کے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، مگر چند درویشوں نے اس کے پوتے غزنی خاں کو مشرف بہ اسلام کیا اور عالم اسلام کو تباہ وبرباد کرنے والوں کو اسلام کا عظیم علمبردار بنا کر رکھ دیا۔

اگر دیگر مذاہب کے بانیوں نے ایک دوسرے پر بعض انسانی خوبیوں میں سبقت حاصل کی ہے تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنے شعبوں میں فضیلت حاصل کی ہے کہ طالب علم حیرت زدہ رہ جاتا ہے، وہ ایک عظیم اور جامع صفات قانون ساز تھے، جنہوں نے تمام قانونی سوالات کے جواب میں قواعد مرتب کیے ہیں، وہ بہت بڑے منتظم تھے جنہوں نے مشت خاک سے ایک عظیم مملکت قائم کی، وہ خود اس کے منتظم اعلیٰ تھے، انہوں نے فوجوں کی کمان کی اور بسا اوقات اپنی رضا کار فوج سے تین سے پندرہ گنا بڑی فوج تک کو شکست فاش دی، ان کی اخلاقی تعلیمات پر مغز ہیں، اور ان سے تعلیمات کو محض مثالی، مگر ناقابل عمل بنانے کے لیے کسی

مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا، انہوں نے یہ نہیں کیا کہ اگر کوئی تمہارے دائیں گال پر چپت رسید کرے تو بایاں گال بھی اس کے آگے کردو، بلکہ وہ کہتے ہیں: ''اگر تم ادلے کا بدلہ لو تو یہ بالکل درست اور جائز ہے، لیکن اگر تم معاف کردو تو یہ اللہ کے نزدیک مستحسن ہے''، یوں ان کی تعلیمات عام آدمی کے لیے بھی اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح کسی ولی، رشی یا منی کے لیے، یہ تعلیمات عام آدمی کو ارتکاب گناہ سے روکتی ہیں، اور اسے معقول حدود کے اندر رکھتی ہیں، ان کی مذہبی تعلیمات کے مطابق 'بندہ خدا کا اور خدا بندہ کا ہے''، یوں انہوں نے خدا اور بندے کے درمیان براہ راست رابطہ قائم کرادیا ہے، خدا اور بندے کے درمیان کسی واسطے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی یہ کسی کی اجارہ داری ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں خدا کی وحدانیت، اس کی لاتعداد صفات، اپنی مخلوق کے لیے اس کی محبت اور رحم کا کوئی اور مذہب ثانی پیش نہیں کرسکتا، اسلام میں خدا 'رب العالمین' ہے، وہ 'ودود' (محبت کرنے والا) ہے، 'رحیم' (رحم کرنے والا) اور 'غفور' (معاف کرنے والا) ہے، وہ قیامت کو سزا دینے میں حق بجانب ہے، مگر اس کی صفت اس کے غضب سے سوا ہے: ''سبقت رحمتی علی غضبی''۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نسل انسانی کو تمام اخلاق سکھایا اور جب وہ مطمئن ہوگئے کہ انہوں نے اپنا مشکل ترین مشن بحسن وخوبی تمام کردیا ہے تو انہوں نے اس کی بلند رفاقت کو ترجیح دی، مع الرفیق الاعلیٰ۔

☆☆☆☆☆

رسید کتب

تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن ندوی

☆شذرات معرفت

ابو صالح لقمان ندوی صدر شعبۂ سدرہ فاؤنڈیشن، مالیگاؤں کی سماجی ذرائع ابلاغ پر تحریر کردہ فکر پاروں کا مجموعہ ہے جواب باقاعدہ کتابی شکل میں ہمارے سامنے ہے، یہ فکر پارے گرچہ بنظرِ غائر دیکھنے سے مختلف موضوعات پر معلوم ہوتے ہیں، لیکن عمیق نظر ڈالنے پر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی زیریں سطح پر جو روح متحرک ہے وہ 'وہ اسلامی تعلیمات اور انسانی نفسیات' کی ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف نے انسانی نفسیات کے موضوع پر کافی غور و فکر اور تدبر کیا ہے، اور کافی حد تک فن کے ماہرین کی تحقیقات ونظریات پر ان کی نظر بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کا اندازِ بیان اور معروضی اسلوب خالص منطقی اور فلسفیانہ ہے، جب کہ جن موضوعات کو انھوں نے چھیڑا ہے، وہ خالص دینی اور صوفیانہ ہیں، اس طرح وہ توبہ، ندامت، استغفار، صبر، شکر، تزکیہ، احسان، معرفت، روحانیت اور تدبرِ قرآن وغیرہ موضوعات پر کی گئی گفتگو میں سماجیات اور نفسیات وغیرہ عصری علوم کی اصطلاح اور اسلوب میں بات کرتے ہوئے تصوف وطریقت اور اسلامی تعلیمات کو نئی زبان اور نیا اسلوب بیان دینے کی کوشش کررہے ہیں۔ درحقیقت یہ ایسی کتاب معلوم ہوتی ہے جس کا موضوع تو ابن عربی اور امام غزالی رحمہما اللہ کا ہے لیکن زبان سگمنڈ فرائڈ اور مائک گورمین کی ہے۔ یہ اک تجربہ ہے جو انیس لقمان ندوی صاحب کی مجمع البحرین شخصیت کا پرتو ہے۔

امید ہے قارئین ''شذرات معرفت'' سے جو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہے: رمضان ڈائری ۲۰۱۶ء اور رمضان ڈائری ۲۰۱۷ء، متاثر ہوں گے اور دینی اصطلاحات کی نفسیاتی ومنطقی توضیح و تشریح سے ان کی فکر وعقل کی گرہیں کھلیں گی۔

صفحات ۸۸، قیمت ۴۰ر روپیہ نورانی پریس، آگرہ روڈ مالیگاؤں سے شائع ہوئی ہے، رابطہ کے لیے موبائل نمبر ۹۸۹۰۱۲۷۰۹۵ درج ہے۔

☆حقوقِ رسولؐ

درمیانی کتابی سائز کے ۱۳۵ر صفحات پر مشتمل یہ کتاب مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی کی اعلیٰ اسلامی فکر کا نتیجہ اور نمونہ ہے، اور اردو خواں عاشقانِ رسولؐ کے لیے ایک عطر بیز تحفہ۔

ایک امتی کے اوپر نبی کریمؐ کے کیا حقوق ہیں مولانا مدظلہ نے 'ایمان'، 'عظمت'، 'محبت'، 'اطاعت'، 'فہمِ سیرت'، 'نصرت' اور 'صلوۃ وسلام' کے عناوین کے تحت ان کو جمع کردیا ہے، جن کے ذیلی عناوین پر طائرانہ نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ کافی گہرائی و گیرائی سے کام لیتے ہوئے آنحضورؐ کے حقوق کا ادراک کرکے امت کو ان سے آگاہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور آپؐ کے بہت سے ایسے حقوق کی طرف رہنمائی کی گئی ہے جو عام طور پر اہلِ علم کو بھی مستحضر نہیں رہتے چہ جائے کہ ایک عام امتی کو، یقیناً یہ کتاب امت محمدیہ علی صاحبہا الف صلوۃ وسلام کے لیے مفید اور نافع ثابت ہوگی۔

سید احمد شہید اکیڈمی، دارِ عرفات، رائے بریلی اس کے نے شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ ☆☆

ادب نبویؐ

حدیث نبویؐ میں منظر کشی کے چند نمونے

● .... مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

حدیث شریف کے موضوعات میں بڑا تنوع اور وسعت ہے، احکام وشریعت کا بیان، اسلامی تعلیمات وہدایات اور قرآنی نصوص کی شرح و تفصیل، اسلامی تعلیمات کی تفسیر وضاحت میں قصوں، کہاوتوں اور تمثیلات کا استعمال، ترغیب و ترہیب، انذار وتبشیر، جنت اور دوزخ کے احوال اور اچھے اور برے اعمال کی جزاوسزا کا بیان، سابقہ قوموں کے حالات واقعات کا تذکرہ، آنے والی نسلوں کا ذکر، قیامت اور اس کی علامات کا بیان، عبادات، اخلاقیات، معاملات کا تذکرہ، انسانی فطرت اوراس کے متنوع حالات کا ذکراور انسان کے مختلف نمونوں کا وصف وبیان وغیرہ۔ ذیل میں حدیث نبوی کی چند مثالیں دی جارہی ہیں، جن میں انسانی نمونوں، نوع انسانی کی مختلف طبیعتوں، مزاجوں، انسانی فطرت اور انسانی نفسیات کو ایسے حکایتی پیرائے بیان میں پیش کیا گیا ہے کہ محسوسات اور غیر مرئی چیزیں متحرک اور مجسم شکل میں سامنے نظر آتی ہیں۔

بااخلاق اور بد اخلاق انسان کی مثال

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ألا أنبئكم بشر الناس؟ قالوا: بلى يا رسول اللّٰه، قال: من أكل وحده، ومنع رفده، وجلد عبده، ثم قال: ألا أنبئكم بشر من ذلك؟ قالوا: بلى يا رسول اللّٰه، قال: من لا يقبل عثرة ولا يقبل معذرة،ثم قال: ألا أنبئكم بشر من ذلك؟ قالوا: بلى يا رسول اللّٰه،قال: من يبغض الناس ويبغضونه.

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم لوگوں کو بتاؤں کہ لوگوں میں سب سے براکون ہے؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے جوتنہا کھائے اوردوسروں کو نہ دے اوراپنے غلام کوکوڑے لگائے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: کیا تم لوگوں کواس سے بدترین شخص نہ بتاؤں؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے جو دوسرے کی لغزشوں کو نہ مانے اور کسی کی معذرت کو قبول نہ کرے، پھر فرمایا: جانتے ہو اس سے بھی بدترین شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے جو لوگوں سے بغض رکھے اور لوگ اس سے بغض رکھیں)۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم للأنصار: إنكم لتكثرون عند الفزع وتقلون عند الطمع.

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصارکو مخاطب کرتے ہوئے کہا: خطرات اور قربانیوں کے موقعوں پر تمہاری تعداد زیادہ ہوتی ہے، منافع اورفوائد کے موقعوں پر تمہاری تعداد کم ہوتی ہے)۔

[البيان والتبيين للجاحظ،والكامل للمبرد]

اس کلام نبویؐ میں جو جمالِ ادبی اور بلاغت پائی جاتی اسے عربی زبان وادب کے رمز شناس اورنکتہ رس جاحظ نے ادب نبوی کا شہ پارہ قرار دیا ہے اورمبرد نے جس کا شمار عربی زبان وادب کے اصول اربعہ میں ہوتا ہے اسی حدیث سے اپنی کتاب ''الکامل'' کا آغاز کیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ألا أخبركم بأحبِّكم إليَّ، وأقربكم مني مجلساً يوم القيامه، أحاسنُكم أخلاقاً، المؤطئون أكتافاً الذين يألفون ويؤلفون، ألا أخبركم بأبغضكم إليَّ، وأبعدكم مني مجلساً يوم القيامة الثرثارون المتشدقون المتفيهقون.

(قیامت کے دن مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ اورسب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ ہوں گے جواچھے اخلاق والے ہیں اور مجھے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اورسب سے زیادہ مجھ سے دور ہوں گے وہ جوزیادہ باتونی، چرب زبان اور تصنع کرنے والے متکبر ہوں گے)۔ [ترمذی]

"المؤطئون أكتافاً" اور "الثرثارون المتشدقون المتفيهقون" میں انسان کی ہیئت کی تصویر کشی کی گئی ہے، پہلے جملہ میں تواضع، عاجزی، انکساری اورنرمی کو بیان کیا گیا ہے، اور دوسرے جملہ میں انسان کی چرب زبانی، تکبر، غروراور گھمنڈ کو بیان کیا گیا ہے۔

ریاکاری اور حب جاہ کی مثال

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے شہید کو بلایا جائے گا اوراس سے ایک ایک نعمت گنوائی جائے گی، وہ

ساری نعمتوں کا اقرار کرے گا، پھر کہا جائے گا: ان نعمتوں کا کیا شکر ادا کیا؟ وہ کہے گا: پروردگار میں نے تیری راہ میں جنگ کی، یہاں تک کہ شہید ہوگیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹا ہے، تو نے تو صرف اس لیے جنگ کی تھی کہ میں بہادر کہلاؤں، سو تو بہادر مشہور ہو چکا، اب مجھ سے کیا لے گا، پھر اس کو منھ کے بل گھسیٹنے کا حکم دیا جائے گا اور وہ آگ میں ڈال دیا جائے گا، پھر عالم اور قاری کو بلایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی اپنی نعمتوں کا اقرار لے گا اور وہ اقرار کریں گے، پھر ان سے کہا جائے گا کہ ان نعمتوں کا شکر ادا کیا؟ وہ کہے گا: اے میرے رب میں نے تیرا علم سیکھا اور سکھایا، قرآن شریف پڑھا اور پڑھایا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم جھوٹ بولتے ہو، تم نے علم محض اس لیے سیکھا تھا کہ عالم اور قاری کہلاؤ، عزت وجاہ حاصل ہو، سو دنیا میں تمہاری شہرت ہو چکی، تم عالم اور قاری مشہور ہو گئے، تمہارا مطلب حاصل ہو گیا، اب مجھ سے کیا لوگے، پھر اس کو چہرے کے بل گھسیٹنے کا حکم ہوگا اور وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، پھر امیروں کو طلب کیا جائیگا، ان کے سامنے ان کی دولت پیش کی جائے گی، وہ اس کا اقرار کریں گے، پھر پوچھا جائے گا کہ تم نے اس مال کو کہاں صرف کیا، وہ کہیں گے پروردگار میں نے یہ مال تیری خوشی کے لیے تیری راہ میں خرچ کیا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم جھوٹے ہو، تم نے مال اسی جگہ صرف کیا جہاں تمہاری خواہش تھی اور سخی مشہور ہونے کا امکان تھا، سو تم سخی مشہور ہو گئے، تمہارا مطلب پورا ہو گیا، پھر اس کو بھی چہرہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈالنے کا حکم ہو جائے گا''۔ [صحیح مسلم]

واقعہ نگاری اور نفسیاتی حالت کی منظر کشی

حدیث نبوی میں ایک پہاڑی غار کی منظر کشی کی گئی ہے جس میں چٹان کے کھسکنے سے تین شخص بند ہو گئے تھے، انھیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ اب موت کے منھ میں آ گئے ہیں، اللہ کے سوا کوئی بچا نہیں سکتا، اس کے بعد تینوں نے اپنے اپنے نیک اعمال کی بنیاد پر اللہ سے فریاد کی اور اللہ کے فضل وکرم سے چٹان غار کے منھ سے ہٹ گئی اور وہ بسلامت باہر آ گئے۔

حضرت ابوعبدالرحمٰن عبد اللہ بن عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے سنا ہے کہ:

''تم سے پہلے تین آدمی کہیں روانہ ہوئے، راستہ میں شام ہو گئی، انہوں نے ایک غار میں پناہ لی، جب اس میں داخل ہوئے تو ایک پتھر گر پڑا اور غار کا دروازہ بند ہو گیا، ان لوگوں نے کہا: اس پتھر سے کوئی نجات نہیں دے سکتا، ہاں یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی عمل کو یاد دلاتے ہوئے پکارو۔

ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ تعالیٰ! میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میں ان سے پہلے اپنی بیوی اور بچوں کو دودھ نہیں پلاتا تھا، ایک دن میں چارے کی تلاش میں دور تک چلا گیا اور راہ میں مجھ کو شام ہو گئی، جب گھر پلٹا تو ان کو سوتا پایا، میں نے برا سمجھا کہ ان کو بے آرام کروں یا ان سے پہلے بیوی اور بچوں کو دودھ پلاؤں، پیالہ میرے ہاتھ میں تھا اور میں ان کے جاگنے کے انتظار میں کھڑا رہا، یہاں تک کہ صبح نمودار ہو گئی اور بچے میرے پاؤں پر لوٹ رہے تھے، میں نے ان کو دودھ پلایا، اے اللہ! اگر یہ کام میں نے تیری خوشی کے لیے کیا ہے، تو اس پتھر کو ہم سے دور کر، پس پتھر تھوڑا ہٹ گیا۔

دوسرے نے کہا: اے اللہ میری ایک چچازاد بہن تھی، وہ مجھکو بہت محبوب تھی، ایک روایت میں ہے کہ میں اس کو اتنا چاہتا تھا کہ جیسے کسی مرد کو عورت سے محبت ہو سکتی ہے، ایک دن میں نے بلایا، اس نے انکار کیا، یہاں تک قحط سے پریشان ہو کر وہ میرے پاس آئی، میں نے اس کو ایک سو بیس (۱۲۰) دینار اس شرط پر دیے کہ وہ مجھ سے تخلیہ (تنہائی) میں ملے، وہ راضی ہو گئی، جب میں نے ارادہ کیا تو اس نے کہا: اللہ سے ڈرو، میں یہ سن کر باز رہا، حالانکہ وہ مجھے انتہائی محبوب تھی، پھر میں نے اس سے روپیہ بھی واپس نہیں لیا، اے اللہ! اگر میں نے یہ کام تیری رضا کی خواہش میں کیا ہے تو ہمیں اس مصیبت سے رہائی عطا فرما، تو پتھر کھسک گیا، مگر اتنا نہیں کہ نکل سکے۔

تیسرے نے کہا: اے اللہ! میں نے کچھ مزدور کام کے لیے بلائے اور ان کو پوری مزدوری دی سوا ایک آدمی کے کہ وہ چلا گیا تھا، میں نے اس کی مزدوری سے تجارت کی، کچھ عرصہ میں تجارت خوب نفع لائی، ایک دن وہ آیا اور کہا: اللہ کے بندے میری مزدوری دے، میں نے کہا: یہ جتنی چیزیں تم دیکھ رہے ہو، اونٹ، گائے، بکری، غلام سب تمہارے ہیں اور تمہاری مزدوری سے ہیں، کہا: کیوں مجھ سے مذاق کرتے ہو، میں نے کہا: میں مذاق نہیں کرتا، یہ حقیقت ہے، تو وہ سب لے کر چلا گیا، اے اللہ! اگر میری یہ بات تجھے پسند آئی ہو تو ہم کو اس تنگی سے نجات فرما، پس وہ پتھر ہٹ گیا اور نکل گئے''۔ [متفق علیہ]

شکر اور ناشکری کی مثال

مذکورہ بالا حدیث میں تین شکر گزار شخصوں کا

بیان تھا، جنہوں نے اپنے نیک اعمال کی دہائی دی تو ان کی پریشانی دور ہوگئی، درج ذیل حدیث میں تین ایسے لوگوں کا تذکرہ ہے جن کو نعمت دے کر آزمایا گیا، ان میں سے دو نے ناشکری کی تو ان کی نعمت چھین لی گئی اور ایک نے اللہ کا شکر ادا کیا تو اس کی نعمت باقی رہی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ:

''بنی اسرائیل کے زمانہ میں تین آدمی تھے، ایک کوڑھی، دوسرا گنجا، تیسرا اندھا، اللہ تعالی نے ان کی آزمائش کا ارادہ کیا، ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا، پہلے سفید داغ والے کے پاس آیا اور کہا: تجھے کون سی چیز محبوب ہے؟۔ اس نے کہا: اچھا رنگ اور اچھی جلد اور مجھ سے یہ بیماری دور ہوجائے جس کی وجہ سے لوگ نفرت کرتے ہیں، فرشتہ نے اس کے بدن پر ہاتھ پھیرا تو اچھی جلد اور اچھا رنگ نصیب ہوا، کہا: تجھے کون سا مال پسند ہے؟، کہا: اونٹ یا گائے (راوی کو شک ہے) فرشتہ نے ایک گابھن اونٹنی دی اور برکت کی دعا کی، پھر گنجے کے پاس آیا اور کہا تو کیا چاہتا ہے؟ کہا: میں چاہتا ہوں کہ میرا گنج دور ہوجائے جس کے سبب سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں اور اچھے بال کی خواہش ہے، فرشتہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کا گنج دور ہوگیا اور اچھے بال نکل آئے، کہا: کون سا مال تجھے مرغوب ہے؟ کہا: گائے، پس ایک گابھن گائے اس کو دی اور برکت کی دعا کی، پھر اندھے کے پاس آیا اور کہا: تیری کیا خواہش ہے؟ کہا: میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالی میری آنکھوں کو بینائی عطا فرمائے تا کہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں، فرشتہ نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو اس کی بصارت پلٹ آئی، کہا: تم کو کون سا مال پسند ہے؟ کہا: بکری، پس اس کو ایک گابھن بکری دی، کچھ عرصہ بعد ان تینوں کے جانوروں سے میدان بھر گئے۔

چند دن کے بعد فرشتہ اسی صورت اور ہیئت میں کوڑھی کے پاس آیا اور کہا کہ میں غریب آدمی ہوں، میری راہ کھوٹی ہوئی، میں آج کے دن نہیں پہنچ سکتا، تجھے اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں جس نے تجھ کو اچھی جلد اور اچھی کھال عنایت کی، مجھ کو راستہ کا خرچ دے تا کہ میں پہنچ جاؤں، سفید داغ والے نے کہا: مجھ پر بہت حقوق ہیں، فرشتہ بولا: غالبا میں تجھ کو پہچانتا ہوں، تو فقیر تھا اور مبروص بھی، لوگ تجھ سے نفرت کرتے تھے، اللہ نے تجھ پر احسان کیا، کہا: واہ، یہ دولت میرے گھر میں باپ دادوں سے چلی آتی ہے، فرشتہ نے کہا: اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تجھ کو ویسا ہی کردے، پھر گنجے کے پاس آیا اور ویسا ہی سوال کیا جیسے کوڑھی سے کیا تھا، گنجے نے وہی جواب دیا، فرشتہ نے کہا: اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تجھ کو ویسا ہی کردے، پھر اندھے کے پاس آیا اور کہا: میں غریب آدمی ہوں، میں اپنے وطن نہیں پہنچ سکتا، تجھ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، جس نے تجھ کو بصارت عطا فرمائی، مجھ کو راستہ کا خرچ دے تا کہ میں پہنچ جاؤں، اس نے کہا: بیشک میں اندھا تھا، اللہ تعالی نے میری آنکھوں کو روشن کیا، تیرا جتنا جی چاہے لے اور جتنا چاہے چھوڑ، خدا کی قسم میں آج کے دن تجھ سے نہ جھگڑوں گا، جس چیز کو تو خدا کے نام پر لے لے گا، فرشتہ نے کہا: تیرا مال تجھے مبارک ہو، اللہ نے محض آزمائش کی تھی، پس اللہ تجھ سے راضی ہوا اور تیرے ان دونوں ساتھیوں سے ناراض ہوا''۔ [متفق علیہ]

ماں کی گود میں بات کرنے والے تین بچوں کا قصہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''گود میں تین ہی نے گفتگو کی، حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور اس بچہ نے جس کو جریج کی طرف منسوب کرتے تھے اور جریج کا قصہ یہ ہے کہ وہ ایک عابد آدمی تھے، انہوں نے ایک عبادت گاہ بنا رکھی تھی، اس میں رہا کرتے تھے، ایک دن ان کی ماں آئیں، وہ نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے ان کو آواز دی، جریج نے کہا: اے پروردگار کیا کروں، ماں کو جواب دوں یا نماز پڑھوں؟ وہ نماز پڑھتے ہی رہے، ماں چلی گئیں، دوسرے روز پھر آئیں اور آواز دی، وہ پھر نماز میں تھے، انہوں نے کہا: اے پروردگار ماں اور نماز کا مقابلہ ہے اور پھر نماز پڑھتے رہے، ماں نے کہا: اے اللہ اس وقت تک اس کو نہ مار جب تک یہ بری عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے، ایک دن بنی اسرائیل جریج اور ان کی عبادت کا ذکر کررہے تھے، ایک عورت نے کہا (جس کی خوبصورتی ضرب المثل تھی) کہ اگر تم کہو تو میں ان کو فتنہ میں ڈال دوں؟ وہ ان کے پاس آئی، انہوں نے التفات نہ کیا، وہ ایک چرواہے کے پاس گئی جو جریج کی عبادت گاہ میں رات کو رہا کرتا تھا، وہ ملوث ہوا، جب اس کے لڑکا ہوا، تو کہا: یہ جریج کا لڑکا ہے، لوگ جریج کے پاس آئے اور ان کو اس عبادت گاہ پر سے اتارا اور اس کو منہدم کردیا اور ان کو مارنا شروع کیا، انہوں نے کہا: آخر کیا بات ہے، لوگوں نے کہا: تم نے گناہ کیا، انہوں نے کہا: بچہ کہاں ہے؟ لوگ اس کو لائے، انہوں نے کہا: اچھا مجھے نماز پڑھ لینے دو، انہوں

نے نماز پڑھی، نماز پڑھنے کے بعد بچہ کے پاس آئے اور اس کے پیٹ میں انگلی ماری اور کہا: اے بچے تیرا باپ کون ہے؟ بچہ نے کہا: فلانا چرواہا ہے، بس پھر کیا تھا، لوگوں جریج کے ہاتھ پاؤں چومنے شروع کیے اور تبرکاً ان پر ہاتھ پھیرنے لگے اور کہنے لگے: ہم تمہاری عبادت گاہ سونے کی تعمیر کریں گے، وہ بولے: نہیں، جیسے پہلے تھی ویسے ہی بنادو۔

تیسرا بچہ جو گود میں بولا، ایک عورت کا بچہ تھا، ماں بچہ کو دودھ پلا رہی تھی کہ ایک سوار بڑے تزک واحتشام کے ساتھ ادھر سے گزرا، ماں نے اس کو دیکھ کر دعا کی کہ خدایا میرا بچہ بھی اسی شان وشوکت کا ہو، بچہ دودھ چھوڑ کر سوار کو دیکھنے لگا اور کہنے لگا کہ اے پروردگار مجھ کو اس جیسا نہ ہونے دینا، یہ کہہ کر بچہ پھر دودھ پینے لگا، کچھ دیر کے بعد منظر سامنے آیا کہ لوگ ایک لونڈی کو طرح طرح کے جرائم کا الزام دیتے ہوئے اور اس کو بلاوجہ مارتے ہوئے ادھر سے گزرے، لونڈی صرف "حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ" کہتی رہی اور رضا بالقضاء پر اس کا عمل رہا، بچہ کی ماں نے یہ دیکھ کر دعا کی کہ پروردگار میرا بچہ ایسا نہ ہو، بچہ دودھ چھوڑ کر اس کو بھی دیکھنے لگا اور کہنے لگا: اے اللہ! مجھکو اسی لونڈی کی طرح بنانا، اب ماں بیٹے میں اس امر میں سوال جواب شروع ہوا، ماں نے کہا: میں نے سوار اور اس کی شان کو دیکھ کر جب دعا کی کہ میرا بچہ ایسا ہی ہو تو تو نے کہا: خدا مجھ کو اس جیسا نہ بنائے، اس لونڈی کو جو ذلیل ورسوا کی جا رہی تھی، میں نے دیکھ کر جب کہا کہ خدا تجھ کو ایسی حالت میں مبتلا نہ کرے تو تو نے کہا: کہ خدا مجھ کو ایسا ہی کرے، بچہ نے جواب دیا کہ اے ماں! سوار ایک نہایت ہی متکبر اور ظالم شخص تھا، اس لیے میں نے اس کی حالت اپنے لیے ناپسند کی اور وہ لونڈی جس کو تم ذلیل سمجھی تھیں، حقیقت میں مظلومہ تھی، اس لیے میں نے اس کے درجہ کی تمنا کی"۔ [متفق علیہ]

ان تین قصوں کے علاوہ حدیث نبویؐ میں اور بھی بہت سے قصے ہیں جن میں انسانی نمونوں کو پیش کیا گیا ہے اور ہر قصہ میں تین نمونے ہیں جن کا کسی نہ کسی انسان کی زندگی سے تعلق ہے، اور انسان کے لیے عبرت ونصیحت اور رہنمائی کا سامان ہے اور یہ نصیحت ایسے حکایتی انداز میں پیش کی گئی ہے جس سے انسان کی فطری اور نفسیاتی حالت کی ترجمانی ہوتی ہے، اور انسان کے شکر واحسان مندی، ناشکری واحسان ناشناسی، انابت الی اللہ، خطرات اور مصائب میں اللہ کی طرف رجوع اور اس سے نصرت ومدد کا سوال، الزام تراشی اور دوسروں سے بدگمانی میں جلد بازی، ماں بیٹے کے تعلقات اور اس کے دیگر احساسات وجذبات کی عکاسی ملتی ہے، اور یہ تمام حالات وجذبات عام فہم، دلکش ودلآویز اور شیریں رواں اسلوب میں بیان کیے گئے ہیں، جنہیں انسانوں کے تمام طبقات سمجھتے ہیں حتی کہ چھوٹے بچے بھی ان قصوں کو دلچسپی اور شوق سے سنتے اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔

اسراء ومعراج کے واقعہ میں بھی انسانی نمونوں کا تذکرہ ہے، جنت ودوزخ کے حالات کی منظر کشی ہے، محسوسات کو مشاہدات کی شکل میں پیش کیا گیا ہے، انسانوں کے ان اعمال کو جن پر جزا یا سزا کا ترتب ہوتا ہے، ایسے الفاظ میں پیش کیا گیا جن سے پورا منظر نگاہوں کے سامنے گھومنے لگتا ہے، اگر قصہ میں منظر کشی، کردار نگاری اور نفسیاتی حالات اور تاثرات واحساسات کی تصویر کشی نہ ہو تو قصہ تاثیر سے خالی اور پھیکا ہوتا ہے، اگرچہ اس میں واقعہ کا بیان ہو، لیکن وہ خشک اور بے مزہ ہوتا ہے، بلکہ صرف خشک تاریخی معلومات پر مشتمل ہوتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کلام رسولؐ میں اسی فنی خوبی اور ادبی حسن وجمال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"فكأني أنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يحكي ارتضاعه بأصبعه السبابة في فيه فجعل يمصها" (میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں اور وہ اپنے منھ میں انگلی رکھ کر دودھ پینے کو بیان کر رہے ہیں)۔

حدیث رسولؐ میں انسانی نفسیات وحالات اور محسوسات کو ایسے اسلوب میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ مجسم شکل میں سامنے آجاتے ہیں، اس کی مثال اسماء بنت یزید انصاریؓ کی روایت میں ملتی ہے، وہ کہتی ہیں:

قال النبي صلى الله عليه وسلم: ألا أخبركم بخياركم؟ قالوا: بلى، قال: فخياركم الذين إذا رؤوا ذكر الله تعالى، ألا أخبركم بشراركم؟ قالوا: بلى، قال: فشراركم المفسدون بين الأحبة، المشاؤن بالنميمة، الباغون البُرَآء العنت.

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں سب سے بہتر کون ہے؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں، آپ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا ہے، اور تم میں سب بدترین وہ لوگ ہیں جو دوستوں کے تعلقات میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں، لگائی بجھائی کرتے ہیں اور بے گناہوں اور بے قصوروں کو مصائب میں الجھادیتے ہیں۔ [مسند امام احمد]

ایک اور حدیث میں انسان کے دو نمونے بیان کیے گئے ہیں، ایک وہ شخص جس کا دل رحمت

وشفقت سے لبریز ہو اور دوسرا وہ شخص جس کا دل اس سے خالی ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ”ایک دیہاتی آپ کے پاس آیا اور کہا: کیا تم اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہو، پیار کرتے ہو، ہم تو ایسا نہیں کرتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: میں کیا کرسکتا ہوں اگر اللہ نے تمہارے دل سے جذبۂ رحمت نکال لیا ہے“۔ [بخاری]

پڑوسی اور مہمان کا اکرام

حضرت ابوشریح عدویؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کا اکرام کرے اور جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا اکرام واحترام کرے، اور جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ بھلی بات کہے یا پھر خاموش رہے“۔ [بخاری]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی جاتی ہے کہ: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مومن نہیں جو خود آسودہ رہے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے“۔

انسانی طبیعتیں اور مزاج مختلف ہوتے ہیں، کسی کا میانہ روی اور کم خرچ کرنے کا مزاج ہوتا ہے، چنانچہ وہ صرف اہل وعیال پر خرچ کرتا، کوئی زیادہ بولنے کا عادی ہوتا ہے، کوئی خاموش مزاج ہوتا ہے، یہ مختلف رجحانات اور مزاج انسانوں میں پائے جاتے ہیں، اجتماعی زندگی پر ان سب کا اثر پڑتا ہے اور اجتماعی زندگی انفرادی زندگی سے بنتی ہے، احادیث میں انسانی نفسیات اور انسانی فطرت کی بھرپور رعایت ملتی ہے، انسانی طبیعتوں کا فرق بھی بیان کرتی ہیں اور ان طبیعتوں میں جو کج روی ہے اس کا علاج بھی کرتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

نظر افروز

کسبِ معاش کا اسلامی طریقہ

مولانا عبدالقادر پٹنی ندوی

انسانی زندگی میں بڑا اہم مسئلہ معاش کا ہے، جس کے بارے میں اسلامی تعلیمات میں ایک طرف تو یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ رازق اللہ تعالیٰ ہے، اور اس نے تمہاری روزی طے کردی ہے، جو تمہیں ہر حال میں مل کر رہنے والی ہے، اس میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَمَامِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّاعَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا“ (ہر رینگنے والے یعنی ذی روح کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے)۔

نیز ارشاد ہے: ”لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَاِیَّاھُمْ اِنَّ قَتْلَھُمْ کَانَ خِطْأً کَبِیْرًا“ (فقر وفاقہ ڈر سے اپنی اولاد کو قتل مت کرو، کیوں کہ روزی تم کو اور ان کو تو ہم ہی دیتے ہیں، ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے)۔

اور نہ معلوم کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کتنے نصوص ملیں گے جن میں روزی کے بارے میں انسان کو مطمئن بنا دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ غریب سے غریب مومن کو فقر کی وجہ سے خودکشی کرتے نہیں دیکھیں گے، جب کہ ایمان سے محرومی کی نحوست نہیں تو کیا کہیں گے کہ محض اس اندیشہ سے کہ آئندہ ہمارے معاش کا کیا ہوگا، ہزاروں نوجوان جو ابھی اعلیٰ تعلیم حاصل کررہے ہیں یا کرچکے، خودکشی کررہے ہیں۔

جہاں ایک طرف یہ قلبی اطمینان دلایا گیا ہے تو دوسری طرف دنیا دارالاسباب ہونے کی اہمیت جتا کر اسباب اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، بلکہ اپنی اولاد کو بھی اس قابل بنانے کی رغبت دلائی گئی کہ وہ محنت مزدوری کرکے کماسکیں، چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: آدمی کے لیے سب سے بہتر غذا جو کھاتا ہے، وہ اس کے ہاتھ کا کمایا ہوا ہے، اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی ہے، یعنی بالواسطہ وہ بھی گویا اسی کی کمائی ہے، کیوں کہ اس کو کمانے کے قابل بنانے میں اس کی جدوجہد کا دخل ہے۔

روزی کمانے میں صرف اپنی ذات تک محدود رکھنے کے بجائے اپنے گھر والوں (بیوی بچے) حتی کہ غلام وخادم پر بھی جو خرچ کرتا ہے، اس کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔

ہاں اسباب اختیار کرنے میں من مانی نہ کرے، بلکہ حلال وحرام کی تمیز کرے، مثلاً تجارت ہی ہے کہ اگر جھوٹی قسموں اور دھوکہ دہی سے بچے، اور سچائی وامانت داری کو اختیار کرے تو قیامت کے روز شہداء کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔

روزی حاصل کرنے کی جدوجہد میں اگر بیواؤں، یتیموں کی خبرگیری شامل کرلی تو پھر تو اس کی خوش نصیبی کا کیا پوچھنا کہ اس کو مجاہد فی سبیل اللہ (اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والا) کے برابر اور اس شخص کے مانند بتایا جو دن بھر روزہ رکھتا ہو اور رات بھر نماز پڑھتا ہو، گویا دن رات سب اوقات اس کے عبادت میں گذرے۔

☆☆☆☆☆

دینی قلعے

مدارس اور اہل علم کا فرض منصبی

مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے آپ حضرات کو مدرسہ میں بھیجا ہے، اصل میں یہ مدارس دین کے قلعے ہیں، اسلام کی پناہ گاہیں ہیں، یہاں سے اسلام کو صرف پناہ ہی نہیں ملتی بلکہ قوت بھی حاصل ہوتی ہے، یہاں حفاظت دین کا کام بھی ہوتا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اشاعت دین کا کام بھی ہوتا ہے، جو طلباء فارغ ہوتے ہیں وہ حقیقت میں حفاظت دین کا سامان ہوتے ہیں، وہ قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، حدیث کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، فقہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور جو متعلقہ علوم ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں، گویا وہ اس علم کی حفاظت کا ذریعہ بنتے ہیں، اور اس میں باریکی پیدا کرتے ہیں، ان کے اندر ایسی استعداد پیدا ہوتی ہے کہ وہ علم دین کی خاطر مرتے اور جیتے ہیں، اور اسی کے محافظ بنتے ہیں، اور پھر اللہ جس کو توفیق عطا فرماتا ہے وہ اس کا داعی اور اشاعت کرنے والا بنتا ہے، یہ سب اللہ کی توفیق سے ہی ہوتا ہے، اللہ فرماتا ہے کہ وہ جس کا چاہتا ہے انتخاب کرتا ہے، اور یہ اللہ کا محض کرم ہے، یہ اس کا محض فضل ہے، وہ جس کو چاہے اپنی دین کی خدمت اور حفاظت کے لیے منتخب کرلے، ایسے ایسے علماء مجددین و مصلحین پیدا ہوئے ہیں، اور جب جب ضرورت پڑی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے افراد پیدا فرمائے ہیں، جنھوں نے امت کی صحیح رہنمائی کے لیے حالات کا مقابلہ کیا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تاریخ دعوت وعزیمت میں یہی چیز ہے، مولانا نے بڑے تسلسل کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ کوئی دور ایسا خالی نہیں رہا جس دور میں بڑے بڑے مشائخ، علماء وائمہ پیدا نہ ہوئے ہوں، اور جنھوں نے بعض مرتبہ پورے پورے ملکوں کو نہ بدل ڈالا ہو، انقلاب نہ برپا کردیا ہو، ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں، اگر آپ ان حضرات کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ حضرات محدثین، فقہاء وعلماء انہیں مدارس سے پیدا ہوئے، گویا یہ ایک تسلسل ہے جو دار ارقم اور صفہ نبوی سے شروع ہوا اور قیامت تک اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ جاری رہے گا، اس کی شکلیں بدل سکتی ہیں، لیکن وہ ایک کڑی ہے، ایک ایسا تسلسل ہے جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا، اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، ارشاد الٰہی ہے: "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" [الحجر:۹] (ہم ہی نے اس نصیحت (نامہ) کو اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)۔

یہ اللہ کا وعدہ ہے، اور اس کا ہر وعدہ برحق ہے، قرآن باقی رہے گا، اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیشہ اس دین کی حفاظت کرنے والے پیدا فرماتے رہیں گے، اور ایسے ادارے ومدارس ہمیشہ قائم ہوتے رہیں گے جو ایسے افراد تیار کریں، یہ مدارس اصل میں اسی کا تسلسل ہے، اور ظاہر ہے جو مدرسہ اپنا سلسلہ نسب صفہ نبوی سے نہ جوڑے وہ مدرسہ کہلانے کے لائق نہیں ہے، خواہ وہ کوئی بھی ادارہ ہو، وہ اپنے کو تعلیم کا ادارہ سمجھے یا کچھ بھی سمجھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ مدرسہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے، مدرسہ وہی ہے جس کا نسب اور نسبت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمسے اور آپ کے مدرسہ سے ہو، یہ مدارس حقیقت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمکے علوم کے وارث ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمکی سنتوں کے وارث ہیں، آپ کی تڑپ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمکی اندر کی کڑھن کے وارث ہیں، اور جب تک یہ باتیں رہیں گی، یہ مدارس حقیقی معنی میں مدارس رہیں گے، اور اگر خدانخواستہ صرف یہ چہار دیواریاں رہ جائیں گی تو ساری حقیقتیں ختم ہوجائیں گی، ان مدارس کی اصل وراثت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمکی سنتوں کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم کی، حدیث میں ہے:

"ان العلماء ورثة الأنبياء، ان الأنبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما انما ورثوا العلم فمن أخذ به أخذ بحظ وافر" [سنن الترمذی: ۲۸۹۸] (بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء نے وراثت میں دینار و درہم نہیں چھوڑے ہیں، بلکہ انہوں نے علم کی میراث چھوڑی ہے، بس جس نے اس کو حاصل کیا، اس نے بہت بڑا حصہ پالیا)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، ظاہر ہے یہ وراثت باپ کی نہیں ہے، اور وراثت کے حقوق کو پہچان لینے کی نہیں ہے، بلکہ یہ وراثت کچھ حقائق اور گہرائی تک پہنچنے کی ہے، جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں اور حضرات صحابہؓ نے اس پر عمل کیا ہے، اور اس طرح

عمل کیا ہے کہ دنیا میں ایک انقلاب برپا ہوا، بعض صحابہ کے متعلق آتا ہے کہ ہم نے بعض مرتبہ ایک ایک آیت کو سمجھنے کے لیے تین تین مہینے لگائے، وہ سیکھنا ہماری طرح نہیں تھا کہ الفاظ کو جان لیا، بلکہ وہ حقیقتوں کو جانتے تھے اور ان کو جذب کرتے تھے، وہ صرف یہ نہیں کہ علم کو صرف الفاظ کی حدود تک رکھتے ہوں، بلکہ وہ علم کو جذب کرتے تھے، اس کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے ان کو وہ مقام دیا تھا جو کسی کو نہیں مل سکتا تھا، لیکن وہ مقام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کے نتیجہ میں تھا، انہوں نے اپنے اندر حقیقی معنی میں دین کو اتارا تھا، پھر صحابہ جن ملکوں میں گئے اور جن علاقوں میں گئے، اگر تاریخ کے حوالہ سے دیکھیں تو یہ حقیقتیں سامنے آئیں گی کہ وہ جن ملکوں میں گئے، اللہ نے وہاں پر ایسا نظام برپا کیا کہ وہاں سب کچھ بدل گیا، حالانکہ ایسا عموماً نہیں ہوتا، کسی علاقہ کے لوگ اپنی زبان نہیں چھوڑتے ہیں، ہر شخص کو اپنی زبان سے محبت ہوتی ہے، کوئی شخص اپنی زبان نہیں چھوڑنا چاہتا، لیکن صحابہ کی یہ فضیلت ہے کہ وہ جس ملک میں گئے وہاں کے لوگوں نے اپنی زبان بھی چھوڑ دی، اور ان کی زبان اختیار کرلی، مصر کی زبان پہلے عربی نہیں تھی، لیکن وہاں صحابہ کا جانا دین کے پورے جوہر کے ساتھ، اخلاق کی پوری بلندی کے ساتھ، انسانیت کی محبتوں کے ساتھ، ان چیزوں نے ان لوگوں کو اپنی طرف کھینچا، اور لوگ ان کے دیوانے ہوگئے۔

صحابہؓ چلتے پھرتے مدارس تھے، اس کا نتیجہ ہے کہ سارے عالم میں دین پھیلا، آج اس کی ضرورت ہے کہ یہ مدارس جو مختلف علاقوں میں قائم ہیں اور ہمارے علماء جو فارغ ہوکر مختلف علاقوں میں جاتے ہیں، یہ چلتے پھرتے مدارس کا نمونہ پیش کریں، دین کا مزاج پیدا کریں، اور اس کو اپنے اندر جذب کرکے، اور اپنی زندگی کو اس کے سانچے میں ڈھال کرامت کے ترجمان بن کر مختلف علاقوں میں جائیں، اور وہاں ایک تبدیلی پیدا ہو، ان کی زندگی کو دیکھ کر تبدیلی پیدا ہوجائے، اصلاً یہی مدارس کا مقصد ہے، یہاں رہ کر اپنے آپ کو ہم نے نہ کھپایا، اپنے طرز زندگی کو نہ بدلا، اپنے ذہن ودماغ کی صحیح طریقہ پر تربیت نہ کی، تو یاد رکھئے ان مدارس سے ہمیں کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے، حاصل جب ہی ہوگا جب مدرسہ کے مقصد کو سمجھا جائے، قرآن مجید میں جو بیان کیا گیا ہے اس میں تفقہ حاصل کیا جائے، یہی تفقہ فی الدین ہے، دین کی مزاج شناسی ہے، دین کی حقیقتوں کو سمجھنا ہے۔

دین کی مزاج شناسی یا تفقہ فی الدین چند چیزوں کو جاننے کا نام نہیں ہے، بلکہ پورے دین کو سمجھنا اور اس کے مزاج کو سمجھنا ہے، مزاج چیزوں کے مجموعہ کا نام ہوتا ہے، آپ کسی سے پوچھتے ہیں آپ کا مزاج کیسا ہے؟ وہ کہتا ہے مزاج بہت اچھا ہے، لیکن مزاج کیوں اچھا ہے؟ اس لیے اچھا ہے کہ چار بنیادی اجزاء (بلغم، سودا، صفراء، خون) ہیں، اگر یہ توازن کے ساتھ ہیں تو مزاج اچھا ہے، اور اگر توازن نہیں ہے بلغم یا سودا بڑھ جائے تو مزاج بگڑ جاتا ہے، اسی طرح اس دین کا بھی ایک مزاج ہے، وہ یہ کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں جو بنیادی باتیں ارشاد فرمائیں، عقائد سے لے کر عبادات تک، عبادات سے لے کر معاملات تک، معاملات سے لے کر معاشرت تک، معاشرت سے لے کر اخلاق تک، اور ہمارا پورا جو طرز زندگی ہے اور زندگی کے جو شعبے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمنے ان کی جو باریکیاں بیان فرمائی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو طرز عمل ہے، وہ ساری تفصیلات موجود ہیں، ان سب کو ان کے توازن کے ساتھ سمجھنا ہے، ہمیں یہ بات سمجھنا ہے کہ وہ کون سے اصول وضوابط ہیں جن میں کوئی تغیر نہیں ہوسکتا ہے، اور وہ کون سے مسائل وفروعات ہیں جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمانہ کے اعتبار سے تغیر رکھا ہے، صحابہ نے ان حقائق وبنیاد اور اصولوں کو پہلے سمجھا تو اللہ نے ان کے ذریعہ دین کو پھیلایا، لہٰذا آج ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم حقیقت دین کو سمجھیں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج کو سمجھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو سمجھیں، آپ نے کیا طریقہ اختیار کیا، دوسروں کو دعوت پیش کرنے میں آپ نے کیا حقیقتیں اختیار کیں، قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا تعلیم وسبق دیا گیا، ہم ان سب چیزوں کو سمجھنے کی کوشش کریں، ارشاد الٰہی ہے:

"قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ"[آل عمران:۶۴] (آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے (وہ یہ) کہ ہم صرف اللہ کی بندگی کریں اور اس کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنالے)۔

جب ہم باہر نکلیں گے اور لوگوں کو دین کی باتیں سمجھانا چاہیں گے، تو ہماری ذمہ داری ہے کہ پہلے مرحلہ پر جب ہم باہر جائیں تو ان لوگوں کی نفسیات سے واقف ہوں، ان سے اپنائیت برتنے والے ہوں، تاکہ ہمیں غیر نہ سمجھا جائے، اس کے

بعد آپ کی بات دلوں میں اترتی چلی جائے گی۔

یہ مدارس حقیقت میں تحفظ دین کا ذریعہ ہیں، اسی طرح اشاعت دین کا بھی ذریعہ ہیں، سب سے بڑھ کر دعوت کا کام کرنے کی ذمہ داری علماء کی ہے، اس لیے کہ اس امت کو اللہ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ اس امت کے علماء انبیاء کی طرح ہیں، دعوت کا جو مشن انبیاء کے ذمہ ہے، اللہ نے وہی مشن اس امت کے علماء کے ذمہ رکھا ہے، لہٰذا جو بھی عالم دین ہے، وہ سمجھ لے کہ اب نہ کوئی شریعت آنے والی ہے، نہ کوئی نظام آنے والا ہے، اس دین کی انتہا ہو چکی اور اعلان ہو چکا کہ "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً" [المائدۃ: ۳] (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور دین کے طور پر تمہارے لیے اسلام کو پسند کر لیا)۔

دین میں کوئی کمی زیادتی نہیں ہو سکتی، گویا ہم کو انہیں اصولوں کو پڑھنا ہے اور انہیں کی دعوت دینی ہے، یہ ایک ایسا نظام ہے جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری انسانیت کے سامنے پیش کیا ہے، قرآن مجید میں ہم کو جو سبق دیا گیا وہ یہ کہ "قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ" [الزمر: ۹] (پوچھئے کہ کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے برابر ہو سکتے ہیں)۔

اس آیت میں ایک سوال ہے کہ اے نبی! آپ پوچھئے: ایک آدمی وہ ہے جو علم رکھتا ہے اور ایک آدمی وہ ہے جو علم نہیں رکھتا، حقائق کو نہیں جانتا، ایک آدمی خیر و شر کو جانتا ہے اور ایک آدمی دونوں سے نادان ہے، یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟

معلوم ہوا یہ ہماری بہت بڑی ذمہ داری ہے، اس لیے کہ جاننے والا اور نہ جاننے والا برابر نہیں ہو سکتے، ایک بات میں اور عرض کرتا ہوں، اوپر جو بات کہی گئی اس میں ایک اور اشارہ بھی ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دین کا جو علم ہے اور اس کا جو مقام اس نے ہمیں عطا کیا ہے، یاد رکھئے مقام جتنا بلند ہوتا ہے ذمہ داری بھی اتنی ہی بلند ہوتی ہے، اس اعتبار سے اللہ جو مقام عطا فرماتے ہیں، ذمہ داری بھی اسی کے اعتبار سے عطا فرماتے ہیں، تو اللہ نے آپ کو جو مقام عطا کیا، وہ اللہ کا بڑا انعام اور نعمت ہے، اسی طرح یہ ذمہ داری بھی ہے کہ آپ حقیقت سے واقف ہوں، اپنے اندر پختگی پیدا کریں اور جس طرح قلب کی پختگی کی ضرورت ہے اور قلب پر محنت کی ضرورت ہے، قلب کا تزکیہ کرنے کی ضرورت ہے، اسی طرح اس کی بھی ضرورت ہے کہ ہماری عقلوں اور فکر میں پختگی ہو، اور اگر یہ ہمیں حاصل نہیں ہے تو ہم بہت خطرہ میں ہیں، کوئی بھی طوفان آ جائے، کوئی بھی ہوا لگ جائے، ہم اپنی جگہ پر کھڑے نہیں رہ سکتے، اس کا ڈر ہوتا ہے کہ کہیں ہم شکار نہ ہو جائیں، اسی لیے پختگی پیدا کی جائے، اور ظاہر ہے علم ایک بنیاد ہے، اور دین کا جو علم ہے اس سے روشنی حاصل کی جائے، لیکن اگر کوئی شخص اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے، لیکن جو روشنی ہو رہی ہے، نگاہ بصیرت کو وا کر کے اپنے اندر جذب کرنا ہے، دماغ کے اندر پہنچانا ہے، اس میں پختگی پیدا کرنی ہے، فکر میں بلندی پیدا کرنی ہے، اور یہ سب تیاری کے ساتھ ہمیں میدان عمل میں آنا ہے، قرآن کا یہ مطالبہ بھی ہے: "وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ" [التوبۃ: ۱۲۲] (اور تاکہ اپنی قوم کو جب ان کے پاس وہ واپس آئے تو خبردار کرے شاید وہ باز رہیں)۔

یہ حکم الٰہی ہے کہ مدرسہ میں رہ کر آپ نے تفقہ فی الدین پیدا کیا اور اس کے بعد جب آپ میدان عمل میں آئیں گے تو آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ لوگوں کو آخرت کے عواقب سے ڈرائیں اور لوگوں کو آگاہ کریں، اور اسی طرح حالات سے آگاہ کریں، اور ان کا حل پیش کریں، یہ ذمہ داری ہمارے علماء کی ہے، جو دانشور طبقہ ہے اور جس کے پاس دین کا علم نہیں ہوتا، وہ بعض مرتبہ غلطیاں کرتا ہے، لیکن جو دین کے پڑھنے والے ہیں، ان کے پاس ایک نظام و دستور ہے، اس کے مطابق ان کو آگے بڑھنا ہے اور لوگوں کی صحیح رہنمائی کرنی ہے، جو دین کا علم انہوں نے حاصل کیا ہے اس کا لوگوں کو خلاصہ بتانا ہے، یہ علماء کی ذمہ داری ہے، اور طلباء کو بھی اسی اعتبار سے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے، محنت کرنا ہے، زبان و تاریخ سے واقفیت پیدا کرنی ہے، حالات سے واقفیت پیدا کرنی ہے، سب سے بڑھ کر ذمہ داری طلباء کی ہے، یہی کل علماء ہوں گے، اس لیے آج ایسے افراد کی ضرورت ہے جو بات پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہوں، استعداد رکھتے ہوں، ایک طرف وہ علم رکھتے ہوں، بات صحیح سمجھتے ہوں، دین کا مزاج جانتے ہوں، اور دوسری طرف وہ بات کو بہتر سے بہتر طریقہ پر پہنچا سکتے ہوں، یہ ہماری بہت بڑی ذمہ داری ہے، اللہ نے طلباء کو موقع دیا ہے، وہ یہ طے کر لیں کہ اپنے آپ کو دین کے سانچہ میں ڈھالنا ہے، تاکہ جہاں ضرورت ہو وہاں ہم اپنے آپ کو پیش کر سکیں اور دین کا صحیح پیغام دے سکیں، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

احوال وآثار

عزم واستقلال کا پہاڑ اور آئنسٹائن کا جانشین **اسٹیفن ہوکنگ**

خدائی تصور کا حامی یا منکرِ خدا؟

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

۱۴/مارچ ۲۰۱۸ء کو مشہور زمانہ ماہر طبیعیات، ماہر فلکیات اور ریاضی داں اسٹیفن ہاکنگ (Stephen Hawking) کی وفات کی خبر عام کی گئی جس نے سائنسی دنیا کو سوگوار کردیا، اور کیوں نہ کرے وہ البرٹ آئنسٹائن (Albert Eienstein) کے جانشین اور ان کے بعد دنیا کے عظیم ترین سائنسداں سمجھے جاتے تھے ، اور آئنسٹائن اور آئزیک نیوٹن (Isaac Newton) کے ساتھ تین عظیم ترین سائنسدانوں کی 'تگڑی' میں شمار کیے جاتے تھے۔

اسٹیفن ہاکنگ ۱۹۶۳ء میں ۲۱/سال کی عمر میں سیڑھیوں سے گر پڑے تھے، اس واقعہ کے زیرِ اثر وہ اک نادر الوجود اعصابی خلل کی بیماری Motor Newton کا شکار ہوگئے، لطیفہ ہی کہا جائے گا کہ ہاکنگ آئنسٹائن کے نظریہ اضافیت (Relativity) کے بجائے نیوٹن کے نظریۂ جاذبیت یا تجاذب یا کششِ ثقل (Gravity) کی مدد سے کام کرنے کو زیادہ آسان سمجھتے تھے (حالانکہ نظریۂ اضافت زیادہ ترقی یافتہ نظریہ تھا اور تجربی سائنس میں زیادہ سود مند)، اس طرح وہ اپنے نزدیک زیادہ راجح نظریہ کے مطابق زمین کی کششِ ثقل یا جاذبیت کا شکار ہوئے، اور ایسا شکار ہوئے کہ رفتہ رفتہ ان کے جسم کے ایک ایک عضو نے کام کرنا چھوڑ دیا، یہاں تک کہ آخر میں ان کی زبان بھی ساتھ چھوڑ گئی، اور صرف دماغ ہی صحیح حالت میں باقی رہ گیا۔ جیسا کہ مشہور ہے وہ اپنے پورے جسم میں صرف پلکوں کو حرکت دے سکتے تھے، اور ان کی پلکوں کی حرکت ان کی متحرک کرسی سے منسلک کمپیوٹر پر اپنا پیغام منتقل کرتی اور پھر کمپیوٹر اس پیغام کو ٹائپ کرتا یا آواز کی شکل دیتا، اور اس طرح دنیا ان کی بے مثال ذہنی وعلمی صلاحیت سے فائدہ اٹھاتی۔

اسٹیفن ہاکنگ گرچہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں زیادہ درس ومطالعہ سے دلچسپی نہیں رکھتے تھے؛ بلکہ ان کے اساتذہ کو ان سے شکایت رہتی تھی کہ وہ اپنی ذہانت وقابلیت کو علم کے حصول میں بھرپور استعمال نہیں کررہے ہیں، لیکن جب ان کو ادراک ہوا کہ وہ اک موذی مرض کی لپیٹ میں آکر جلدی دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں تو ان کے ذہن کو جھٹکا لگا اور انھوں نے تہیہ کرلیا کہ وہ جب تک زندہ ہیں، خواہ جس حال میں بھی ہوں، اپنی باقی ماندہ توانائی حصولِ علم میں صرف کریں گے، ان کی بلند ہمتی دیکھئے کہ پہلے انھوں نے ڈاکٹریٹ کرنے کا ارادہ کیا (جس کی صحت کے زمانہ میں انھیں خاص خواہش نہیں تھی)، اور ایسا تحقیقی مقالہ پیش کیا کہ اس کو جب کیمبرج (Cambridge) یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر لانچ کیا گیا تو اتنے لوگوں نے اس سے استفادہ کی فوری کوشش کی کہ چند ہی گھنٹوں میں ویب سائٹ crash ہوگئی۔ فنی واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ ویب سائٹ زیادہ رش کی وجہ سے بسا اوقات hang ہوجاتی ہے لیکن crash ہونا اک نادر واقعہ ہے۔

ہاکنگ کو جب مرض کی تشخیص کا علم ہوا تو انھوں نے جو موضوع اختیار کیا وہ بھی ان کی بلند ہمتی اور اعلیٰ حوصلگی کی نایاب مثال ہے، انھوں نے وقت کے پیچیدہ ترین موضوع آئنسٹائن کے نظریۂ اضافت پر غور کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اس کو اپنے مطالعہ وتحقیق کا محور قرار دیا، گرچہ ہاکنگ نے صرف نظریاتی طبیعیات (Theoretical Cosmology) سے باقی زندگی خود کو منسلک رکھا، لیکن یہ ان کی مجبوری تھی؛ کیونکہ تجربی طبیعیات کے لئے ان کے جسم خاص طور پر ہاتھ پیر کا حرکت پذیر رہنا ناگزیر تھا جو نعمت قدرت ان سے چھین چکی تھی، بہرحال انھوں نے اپنی لاچاری اور معذوری کو اپنی علمی وتحقیقی پیش رفت میں کبھی حائل نہیں ہونے دیا اور ایک دو نہیں؛ کئی کتابیں تالیف کیں، بہت سے مقالات لکھے، سینکڑوں کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت کی، یہ کہنا بھی شاید درست ہوگا کہ ان کی شہرت و عظمت کا بڑا حصہ نادر الوجود معذوری میں ان کا بے مثال عزم واستقلال تھا، جس نے ان کو شہرت و عظمت کے اس مقام پر پہونچادیا کہ عالمی طاقتوں کے سربراہان ان کی اولوالعزمی کو سلام پیش کرنے کے لیے ان سے ملاقات کے خواہش مند رہتے تھے اور ان سے نیاز حاصل کرنے کے متمنی۔

یہی نہیں؛ بلکہ وہ اپنی معذوری پر کبھی کبیدہ خاطر بھی نظر نہیں آئے، وہ لوگوں کے ساتھ دل لگی

اور مذاق بھی کرتے تھے، ان کا ایک لطیفہ بہت مشہور ہے کہ ایک بار ان سے سوال کیا گیا کہ کائنات میں ثقبِ اسود، ثقلی کشش، اور مصنوعی ذہانت میں آپ کے لیے کونسی چیز ہے جو معمہ بنی رہی، انھوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ: ''عورت''۔

اسٹیفن ہاکنگ ۱۹۷۹ء سے ۲۰۰۹ء تک صرف اپنی دماغی صحت کے بل بوتے پر اسی عہدے پر فائز رہے جس پر کبھی آئزک نیوٹن فائز تھا، گویا وہ اس طویل عرصہ میں دنیا میں سائنس کے اعلیٰ ترین عہدہ پر فائز رہے۔

ہاکنگ کی جانب جو سائنسی کارنامے منسوب کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک کائنات میں موجود ''ثقب اسود'' (Black Hole) کی دریافت ہے، جس سے روزانہ نئے نئے ستارے جنم لیتے ہیں، اور جن سے ایسی شعاعیں خارج ہوتی ہیں جو کائنات میں بڑی تبدیلیوں کا سبب بنتی ہیں، ان شعاعوں کو اسٹیفن کی نسبت سے Hawking Radiation کا ہی نام دیا گیا ہے۔

تصنیفی میدان میں ان کی کتاب ''وقت کی مختصر تاریخ'' (A Brief History of Time) ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی اور سائنس کے میدان میں ایک انقلابی تصنیف تسلیم کی گئی، اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۲۳۷/ ہفتے یعنی تقریباً پانچ سال تک وہ دنیا کی سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب ریکارڈ کی گئی، موضوع کی رو سے اس کتاب کی اہمیت ہاکنگ کے اس اقتباس سے معلوم ہوتی ہے:

''آج کے سائنس داں کائنات کی تشریح دو بنیادی جزوی نظریات کی بنا پر کرتے ہیں؛ اضافیت کا عمومی نظریہ (General Theory of Relativity) اور مقداری جاذبیت (Quantum Mechanics)، مگر بدقسمتی سے یہ دونوں نظریات بیک وقت درست نہیں ہوسکتے، آج کے علمِ طبعیات کی ایک بنیادی کاوش اور اس کتاب کا اہم موضوع اک ایسے نظریہ کی تلاش ہے جو ان دونوں نظریات کو ملا کر تجاذب کا کوانٹم نظریہ پیش کرے''۔

گویا ہاکنگ اپنی اس تالیف میں اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ کائنات کی تشریح کرنے والے دو بنیادی نظریوں کے درمیان جو کہ عام طور پر ایک نتیجہ تک نہیں پہونچاتے' ایسا ربط تلاش کرسکیں جو دونوں کی صحت کا ضامن ہو۔

ثقبِ اسود کے ساتھ نظریۂ جاذبیت، ابتدائے کائنات اور وقت کی گردش کے حوالے سے ان کی تحقیقات سائنسی دنیا میں بڑی مقبول رہی ہیں اور مستند سمجھی جاتی رہی ہیں۔

اسٹیفن ہاکنگ کی شخصیت و لیاقت سے واقفیت کے بعد آیئے اب اصل موضوع کی طرف آتے ہیں، اور وہ ہے اس عظیم سائنس داں کا 'خدا' اور 'خالق کائنات' سے متعلق نظریہ اور تصور، جو خاص کر ان کی وفات کے بعد کئی روز تک سماجی ذرائع ابلاغ پر بڑا گرم موضوع بنا رہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ کافی عرصہ تک تو ہاکنگ کی طرف یہ نظریہ منسوب رہا کہ انسانوں کا 'وقت اور خالقِ خدا کا تصور صرف ہماری کائنات سے تعلق رکھتا ہے، جب ہماری کائنات ختم ہوجائے گی تب اور بھی کائناتیں موجود ہوں گی۔ لیکن ستمبر ۲۰۱۴ء میں ان کی طرف اس بات کا اعلان منسوب کیا گیا کہ'' وہ ملحد (Atheist) ہیں اور انسانوں کے لیے اپنے ارد گرد پھیلی کائناتوں کے رازوں کے سمجھنے کے لئے کسی خدا کے تصور کی ضرورت کو نہیں مانتے''۔

ان کی طرف منسوب ان نظریات نے ایک عالم کو متاثر کیا، جیسا کہ اوپر کی سطور سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ انتہائی مقبول شخصیت تھے اور بے شمار لوگ ان کے افکار و خیالات کے دیوانے تھے، لہٰذا ان کے عقائد و نظریات اسٹیفن کی رائے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اسی وجہ سے انسانی معاشرہ کے ایک طبقہ نے ان کی وفات پر بجائے تعزیتی کلمات کہنے کے ان کو لعنت ملامت کا نشانہ بنایا اور ان کی وفات پر اطمینان کا اظہار کیا۔

لیکن تحقیق کرنے پر اس بات کی طرف اشارے مل رہے ہیں کہ یہ ملحدانہ نظریات ہاکنگ کی طرف غلط منسوب ہوتے رہے ہیں اور ان کی شخصیت کہیں نہ کہیں سازشی طور پر استحصال کا نشانہ بنتی رہی ہے۔

دراصل ہاکنگ کے بارہ میں کچھ روز قبل یہ شک پایا جا رہا تھا کہ وہ کافی عرصہ ہوئے انتقال کرچکے ہیں، جس مرض میں وہ مبتلا تھے طبی نکتۂ نظر سے اس میں چند مہینے یا اگر مریض کا غیر معمولی علاج و تیمارداری کی جائے تو چند سال ہی حیات رہنے کا امکان رہتا ہے، جب کہ اسٹیفن ۵۰/ سال سے زائد عرصہ تک زندہ رہے حالانکہ ۱۹۷۴ء میں اطباء نے ان کی زندگی سے مایوسی بھی ظاہر کردی تھی، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں لیکن کچھ ایسے عوامل مدِ نظر ہیں کہ جن کی بنا پر اس حقیقت پر شبہ ظاہر کرنا ہی پڑتا ہے اور جو اس امر میں غور و فکر اور تحقیق کی دعوت دیتے ہیں۔

جن لوگوں نے ہاکنگ کی زندگی پر تقریباً سال بھر قبل شک کی انگلی اٹھائی تھی ان کا دعوا تھا کہ ۳۰/ سال قبل ہاکنگ انتقال کرچکے ہیں، اور ناسا

(North America Space Agency) اپنی (مزعومہ) تحقیقات یا سائنسی نظریات کی ترویج کے لیے ان کی ڈمی یا نقلی ہاکنگ کی شکل میں ان کو زندہ رکھے ہوئے تھی۔

ان لوگوں کی دلیل یہ تھی کہ ہاکنگ کی تصویروں میں عرصہ سے گردشِ ماہ وسال کا کوئی اثر نظر نہیں آتا، ان کی صحت کے زمانے کی تصویر میں اور حالیہ تصاویر میں بالوں کے رنگ میں فرق محسوس کیا جاتا ہے، یعنی اصلی ونقلی ہاکنگ کے بالوں کے رنگ میں فرق پایا جاتا ہے، وہ یہ بھی دلیل پیش کرتے ہیں کہ وہیل چیر پر بیٹھا شخص اتنا ذہین نہیں ہے جتنا کہ ہاکنگ تھے۔

اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہاکنگ کو تابوت میں دفنایا نہیں گیا بلکہ ان کی ارتھی جلائی گئی، ان کی تدفین کو 'محدود تقریب' میں رکھا گیا، جس میں صرف گھر کے افراد تھے، تعزیت کرنے والوں یہاں تک ان کے دوستوں کو بھی تدفین کی مذہبی رسومات میں شرکت نہیں کرنے دی گئی اور ان کو چرچ سے باہر ہی رکھا گیا، ایسی صورتِ حال میں یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا جس کی تدفین عمل میں آئی ہے وہ ہاکنگ ہی ہیں یا کوئی اور؟

خیر ہمیں بحث اس بات سے ہے کہ ہاکنگ خدا کے وجود سے متعلق کیا نظریہ رکھتے تھے، اس کے لیے ہم ہاکنگ کی اہم ترین کتاب ''وقت کی مختصر تاریخ'' کا انتخاب کرتے ہیں' جو ان کے ابتدائی دور یعنی ۱۹۸۸ء سے پہلے کی تصنیف ہے، کیونکہ یہ کتاب لگ بھگ اس دور کی ہے جس دور میں ان کی وفات کا اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے، یعنی ۳۰ر سال قبل کی، اس طرح ہم جائزہ لے سکیں گے کہ جس وقت تک ہاکنگ کی حیات یقینی طور پر باقی تھی اس وقت ان کی تحقیقات کس رخ پر تھیں؟ آیا وہ ملحدانہ نظریات کی طرف مائل ہو رہے تھے یا ان کے نظریات مذہبی معلومات کے دائرے کو ہی وسیع تر کر رہے تھے۔ یہ بھی گوشۂ ذہن میں رہے کہ اس کتاب نے ان کو شہرت کے بامِ عروج پر پہونچا دیا تھا، اور اس کا دنیا کی بہت سی زبانوں میں ترجمہ بھی کیا گیا تھا، اردو میں ''وقت کا سفر'' از ناظر محمود اور عربی میں ''تاریخ موجز للزمان ''از مصطفیٰ ابراہیم فہمی کے نام سے اس کے ترجمے موجود ہیں۔

اس سے پہلے کہ ہم ''وقت کی مختصر تاریخ'' کا جائزہ لیں یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ ہاکنگ کوئی کتاب وسنت پر ایمان رکھنی والی شخصیت نہیں ہیں اور نہ اسلامی عقائد ونظریات کے حامل، البتہ وہ عیسائی مذہب سے منسوب تھے' جس میں خدا کا تصور خواہ کسی شکل میں ہو موجود ہے۔ دوم یہ کہ وہ اک سائنس داں ہیں اور سائنسی زبان ہی میں گفتگو کرتے ہیں۔

کائنات کی ابتداء کے حوالہ سے گفتگو کرتے ہوئے ہاکنگ کہتے ہیں:

''کچھ لوگوں کا ......خیال ہے کہ کائنات کی ابتداء کی صورتحال کا سوال مابعد الطبیعیات یا مذہب کا معاملہ ہے، کیونکہ خدا قادرِ مطلق ہے اور کائنات کو جس طرح چاہے شروع کر سکتا ہے......ہوسکتا ہے ایسا ہی ہو؛ لیکن اس صورت میں (یعنی اختیار کی صورت میں) خدا کائنات کو بے قاعدہ یا غیر منظم طریقہ سے بھی شروع کر سکتا تھا، تاہم ایسا لگتا ہے کہ اس نے چاہا کہ کائنات کو بڑی ترتیب سے چند قوانین کے مطابق تشکیل دیا جائے، اس لئے کہ یہ فرض کرنا بھی معقول ہی لگتا ہے کہ کائنات کی ابتدائی حالت بھی قوانین کے تابع ہوگی''۔

ملحوظ رہے کہ قرآن کریم اس سلسلہ میں بہت واضح اشارے رکھتا ہے، 'سماء' کا لفظ قرآن کریم کئی بار سائنس کی تعبیر 'کائنات' کے مفہوم میں لایا گیا ہے، اور ''والسماء وما بناھا'' ، ''والسماء بنیناھا باید''میں 'بنا' اور ''بنیناھا باید'' کی تعبیرات اس مفہوم کو ادا کرتی ہیں کہ کائنات منظم شکل میں وجود میں آئی ہے۔ بہت سے سائنسداں کائنات کے لامحدود ہونے کی بنا پر یہ اندازہ لگانے سے قاصر رہے کہ آیا اس کائنات کے اجزاء (دنیاؤں) میں کوئی نظم وترتیب ہے کہ نہیں، بعض تو انکار ہی کر بیٹھے اور مذہبی رو سے گمراہ ہوئے، جب کہ ہاکنگ کا نظریہ اوپر کی سطور میں آپ کے سامنے ہے، جو نہ صرف یہ کہ کسی ملحدانہ فکر کے حامل شخص کا نہیں ہوسکتا، بلکہ قرآنی آیت کی روح کے مطابق اس عقیدہ کی تائید کرتا ہے کہ خدا مرضی کا مالک ہے، وہ کائنات کو منظم وغیر منظم انداز میں تخلیق کر سکتا تھا لیکن اس نے بڑے منظم اور مرتب انداز میں ہی اس کی تخلیق کی۔

مذکورہ بالا سیاق میں ایک اور اقتباس دیکھئے:

''......بہرحال اگر کائنات کا ارتقاء باقاعدہ طریقہ سے ہوا ہے تو ہم یہ توقع کر سکتے ہیں کہ فطری انتخاب سے ہمیں ملی ہوئی صلاحیتیں مکمل اور متحد نظریہ کی تلاش میں بھی کارگر ثابت ہوں گی اور ہمیں غلط نتائج کی طرف نہ لے جائیں گی''۔

''فطری انتخاب سے ملی ہوئی صلاحیتیں' سائنسی تعبیر ہے، جس کو ہم اپنی زبان میں ''خداداد صلاحیتیں'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

ہاکنگ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ وہ خدا کو سمجھنے کی (معرفتِ خداوندی حاصل کرنے کی) کوشش کر رہے تھے، ان کی کوشش کس نتیجہ پر پہونچی'

مندرجۂ ذیل اقتباس نہ صرف اس کی پردہ کشائی کرتا ہے بلکہ ساری انسانیت کو اس سے فیض پہونچنے کی امید دلاتا ہے، ملاحظہ کیجیے:

''بہرحال اگر ہم ایک مکمل وحدتی نظریہ دریافت کرلیں تو یہ صرف چند سائنس دانوں کے لیے نہیں، بلکہ وسیع معنوں میں ہر ایک کے لیے قابلِ فہم ہوگا، پھر ہم فلسفی، سائنس داں، بلکہ عام لوگ بھی اس سوال پر گفتگو میں حصہ لے سکیں گے کہ ہم اور یہ کائنات کیوں موجود ہیں، اگر ہم اس کا جواب پالیں تو یہ انسانی دانش مندی کی فتح ہوگی، کیونکہ تب ہم خدا کے حتمی ذہن کو سمجھ لیں گے''۔

''خدا کے حتمی ذہن کو سمجھنا'' یہ ہاکنگ کی سائنسی تعبیر ہے، آپ کی زبان میں کیا تعبیر مناسب ہے یہ ہم آپ پر چھوڑتے ہیں، البتہ اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ ہاکنگ یہاں اپنی اس کتاب میں جو دو نظریات کا ربط باہم تلاش کررہے ہیں' اس میں ان کا مقصد ساری انسانیت کو ایک ''حقیقت'' کی طرف لے جانا' ان کے الفاظ سے خوب واضح ہے۔

ایک موقعہ پر روح، سورج اور چاند سے متعلق شرکیہ عقائد کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''......تاہم بتدریج آگہی حاصل ہوئی کہ ان (مخلوقات) میں ایک خاص ترتیب ہے، سورج ہمیشہ مشرق سے طلوع ہوکر مغرب میں غروب ہوتا ہے، چاہے سورج دیوتا کی بھینٹ دی جائے یا نہ دی جائے، اس کے علاوہ یہ کہ سورج، چاند اور سیارے آسمان پر بڑے درست راستے اختیار کرتے ہیں، جن کی خاصی ٹھیک پیش گوئی کی جاسکتی ہے۔ پھر بھی سورج اور چاند دیوتا ہوسکتے تھے' مگر ایسے جو سخت قوانین کے تابع ہوں، بہ ظاہر اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں تھا، قطعِ نظر ایسی حکایات کے جن میں یوشعؑ کے لیے سورج روک دیا گیا تھا''۔

اس اقتباس میں اگر غور کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہاکنگ اپنے سائنسی فن کے ذریعہ کفر وشرک کی خوگر طبیعتوں کو رفتہ رفتہ توحید کا قائل کرنے کی کوشش کررہے ہوں، کم از کم حضرت یوشع علیہ السلام کا ذکر جس انداز میں کیا ہے اس سے اتنا تو یقینی ہوگیا کہ وہ کوئی ملحد اور لامذہب نہیں تھے۔

قرآن کی کئی آیتوں کی تفسیری حوالے ہاکنگ کے اس اقتباس میں ملتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

عمومی اضافیت کے نظریہ کے مطابق ماضی میں ضرور لامتناہی کثافت کی ایک حالت رہی ہوگی، یعنی عظیم حادثہ (Big Bang) جو وقت کا ایک مؤثر آغاز ہوگا، اسی طرح اگر پوری کائنات دوبارہ ڈھیر ہوجائے تو مستقبل میں لامتناہی کثافت کی اور حالت ضرور ہوگی ......اور اس طرح پھر بھی خدا کو اس فیصلہ کی مکمل آزادی ہوگی کہ پھر کیا کیا جائے اور کائنات کیسے شروع ہو؟ (ایک مومن کی زبان میں ''کس طرح حشر نشر اور حساب کتاب کی دنیا قائم ہو؟'')۔

یہ اقتباس "يَوْمَ تَبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَ السَّمَاوَاتُ الخ" اور "اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّ السَّمَاوَاتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقاً فَفَتَقْنَاهُمَا" سے سمجھے جانے والے مفہوم کے کتنا قریب ہے' موضوع سے دلچسپی رکھنے والے لوگ خوب اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، ساتھ میں اس بات کا اعتراف کہ وہ خالقِ کون ومکان' کائنات کے دوبارہ وجود میں لانے کا اختیار رکھتا ہے۔

لاپلیس (Laplace) جس نے انیسویں صدی کے اوائل میں سائنسی جبریت (Scientific Determination) کا مفروضہ پیش کیا تھا جس کا ایک جزء یہ بھی تھا کہ ایک مرتبہ کائنات کے آغاز ہونے کے بعد پھر خدا اس میں مداخلت نہیں کرتا، اس نظریہ کے رد میں ہاکنگ کا بے باکانہ انداز ملاحظہ کیجئے:

''درحقیقت اسے (خدا کو) ان علاقوں (حقائق) تک محدود کردیا گیا جہاں تک ۱۹ویں صدی کی سائنس کا فہم تھا''۔

قارئین خود ہی فیصلہ کریں کہ یہ ایک منکرِ خدا کا جملہ ہوسکتا ہے یا کسی موحد کا؟

اسٹیفن ہاکنگ کی اس کتاب ''وقت کا سفر'' سے اس طرح کے بے شمار اقتباسات پیش کیے جاسکتے ہیں، اس کتاب کے مطالعہ سے صاف اندازہ ہوجاتا ہے کہ ان کی تحقیقات ''کس رخ'' پر جارہی تھیں جو بلاشبہ آج کی طاغوتی طاقتوں کو پسند نہیں آیا ہوگا، یہاں پر ہمیں یقین سا ہونے لگتا ہے ہاکنگ کی موت میں ضرور کوئی سریت ہے، اور وہ اگر واقعۃً اتنی مدت زندہ رہتے تو اپنی تحقیقات سے حق کو واضح تر کردیتے، ضرورت اس بات کی ہے ہاکنگ کی ساری تصنیفات کا تحلیل وتجزیہ کرکے ''قدیم'' و''جدید'' کے درمیان ربط یا عدم ربط تلاش کیا جائے تاکہ اس پہلو سے بھی صحیح بات کھل کر سامنے آسکے۔

آخر میں یہ بات اہم معلوم ہوتی ہے کہ ہاکنگ آئنس ٹائن کے بارہ میں اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ وہ' صہیونیت کا شکار ہوگیا تھا'، جو شخص کسی پر یہ تنقید کرے کہ وہ صہیونیت کا شکار ہوگیا تھا' یقیناً وہ خود اس کا شکار ہونا پسند نہیں کرے گا۔ وعلم اللہ اکمل واتم

☆☆☆☆☆

منزل بہ منزل

رپورٹ سہ روزہ سالانہ سیمینار رابطہ ادبِ اسلامی عالمی بعنوان:

'حضرت مولاناؒ کی دینی، دعوتی واصلاحی خدمات'

منعقدہ بتاریخ:۴-۶/فروری ۲۰۱۸ء، زیر اہتمام: جامعہ اسلامیہ بھٹکل (کرناٹک)

● ....مولانا مشہود السلام ندوی

''ادب اسلامی کے سلسلہ میں دوسروں کی جو کوششیں ہیں ہم ان کی قدر کرتے ہیں، ان سے کوئی مقابلہ پیش نظر نہیں ں، رابطہ ادب اسلامی کا قیام تو درحقیقت اس ادب کا مقابلہ کرنے کے لیے کیا گیا جو امت میں فساد اور بگاڑ پیدا کر رہا تھا، اور ہم جو کام کر رہے ہیں مثبت انداز سے کر رہے ہیں، تاکہ جن حضرات کو ادب سے دلچسپی ہے ان کے رخ کو صحیح سمت دیا جا سکے، اور اب دنیا تسلیم کر رہی ہے کہ ہم کام اچھا کر رہے ہیں''۔

ان کلمات کا اظہار حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ صدر شعبۂ برصغیر نے رابطہ ادب اسلامی کے ۲۷ویں سالانہ سہ روزہ سیمینار کے افتتاحی پروگرام کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا، سیمینار کا یہ افتتاحی جلسہ جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں منعقد ہوا، جس میں ملک و بیرون ملک کے اہل علم، مندوبین، علماء اور عمائدین شہر نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

اس سے قبل ناظم جامعہ شاہ بندری محمد شفیع صاحب نے بھٹکل سے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے ربط وتعلق اور محبت کا ذکر کیا، اور مہمانوں کا استقبال کیا، جب کہ مولانا مقبول احمد ندوی نے جامعہ کا تعارف اور جامعہ کی علمی و دینی سرگرمیوں اور متنوع خدمات کا تذکرہ کیا، اور مولانا الیاس محی الدین ندوی نے سیمینار کی ضرورت وپس منظر اور رابطہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی، صدر رابطہ کا خطبۂ صدارت جو 'مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی دینی، دعوتی اور اصلاحی خدمات' کے موضوع پر تھا، وقت کی قلت کی وجہ سے افتتاحی جلسہ کے بجائے مقالات کی نشست میں مولانا سحبان ثاقب ندوی بھٹکلی نے پڑھ کر سنایا۔

اس کے بعد رابطہ ادب اسلامی کے جنرل سکریٹری مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی سکریٹری رپورٹ مولانا اقبال احمد ندوی نے پڑھ کر سنائی، مولانا نے اپنی رپورٹ میں رابطہ کی سرگرمیوں کا تفصیل سے ذکر کیا اور فرمایا رابطہ کا بنیادی مقصد مذہب و اخلاق علم وادب اور فکر وفن کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والوں کے درمیان رابطہ وتعلق پیدا کرنا ہے۔

کلمۃ الوفود

مندوبین کی طرف سے کلمۃ الوفود کے طور پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے فرمایا کہ: حضرت مولانا جیسی ہمہ جہت شخصیت کبھی کبھار پیدا ہوتی ہے، انہوں نے دعوت اور اس کے اصولوں کو عملی زندگی میں نافذ کرنے کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر دی، ان کی خدمت اور دعوت کے طریقوں کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے پر ایک پورا کتب خانہ تیار ہو سکتا ہے۔

مولانا محمد مزمل صدیقی ندوی نے کہا کہ: سیمینار کی اہمیت اس کے موضوع کی وجہ سے بڑھی ہوئی ہے اور موضوع اس کا دعوت اسلامی ہے، اور حضرت مولاناؒ کا طریقۂ دعوت بڑا مناسب، متوازن اور سیکھنے کے لائق طریقہ ہے۔

مولانا محمد عیسیٰ منصوری نے کہا کہ: علماء کی ۳ ذمہ داریاں ہیں: تعلیم، تربیت، اور غلبۂ دین کی فکر، اس تناظر میں ہندوستان میں تین عظیم اور ممتاز شخصیات نظر آتی ہیں، جن میں ایک حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی ہیں جنھوں نے مشرق و مغرب میں دعوت پیش کی اور لائحۂ عمل بھی دیا، ان کی سرگرمیاں ان کے عمل اور طریقہ کو پڑھنے اور اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی نے کہا کہ: جو خصوصیات احمد سرہندیؒ اور ان کے سلسلہ کو اور پھر آگے چل کر شاہ ولی اللہؒ اور ان کے سلسلہ کے خلفاء کو عطاء ہوئیں ان سب کا مجموعہ حضرت مولانا تھے، ان میں ایک بڑی صفت جامعیت تھی، اور دوسری بڑی صفت اعتدال و توازن تھا، دور حاضر کو اس شخصیت کے مزاج سے سیکھنے کی ضرورت ہے۔

مولانا عبد القادر عارفی (ایران) نے کہا کہ: اس عظیم شخصیت پر ہمیں فخر ہونا چاہیے کہ انہوں نے زندگی کے ہر مرحلہ میں اعتدال وتوازن کی راہ اختیار فرمائی، چنانچہ آپ کے یہاں کسی طرح کی کوئی عصبیت نہیں پائی جاتی، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ صفت ان کے اندر قرآن وسنت اور سیرت سے کسب فیض کے نتیجہ میں پیدا ہوئی۔

ڈاکٹر سعید فیضی ندوی (کناڈا) نے کہا کہ: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ایک کامیاب داعی اور اسلام کا ترجمان تھے، عالم اسلام میں عربوں کو خصوصا اپنا موضوع اور مخاطب بنایا، آپ نے مغرب کے ملکوں کے بھی دورے کیے اور وہاں کے مسائل کا حل پیش کیا۔

.....................بقیہ ۳۰/پر

روداد چمن

ندوہ کے شب وروز

محمد قتیبہ، محمد فاخر صبا

''ہرادارہ کی کچھ امتیازات وخصوصیات ہوتی ہیں، آپ کو جس ادارہ کی نسبت حاصل ہے، اس کی بھی اپنی کچھ خصوصیات ہیں جن کی بنا پر عالم اسلام میں اس کی اپنی ایک پہچان ہے، آپ کو ان خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے، ندوہ ''الجمع بین القدیم الصالح والجدید النافع'' کے اصول پر اپنا نظام چلاتا ہے، قرآن وحدیث کو سامنے رکھتے ہوئے جدید ترقیات سے بھی فائدہ اٹھانے کی دعوت دیتا ہے''۔

ان خیالات کا اظہار میر کارواں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے معزز اراکین انتظامی کی آمد کے خوشگوار موقع پر طلباء دارالعلوم کی علمی، دینی، فکری، ثقافتی اور تربیتی انجمن 'جمعیۃ الاصلاح' کی طرف سے منعقد کردہ استقبالیہ جلسہ میں کیا کا انعقاد کیا۔

مزید برآں طلباء کو ترغیب دلاتے ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ: ''آپ نے اپنے مہمانوں سے بہت قیمتی نصیحتیں سنی ہیں اور نصیحت کا مطلب ہوتا ہے کہ سننے والا اس سے فائدہ اٹھائے، اور ابھی سے اپنے روشن مستقبل کی تعمیر کی فکر کرے''۔

اس مبارک موقع پر مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے بہت مختصر مگر جامع، معنی خیز اور بڑا مؤثر خطاب کیا، آپ نے اپنے خطاب کا آغاز قرآن کریم کی اس آیت سے کیا ''وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ'' اور کہا کہ یہ آیت ایک سوال ہے اور اس کے جواب ہمارے طلباء عزیز ہیں۔

مشہور مصنف ومحقق اور محدث مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی نے اپنے خطاب میں کہا کہ: علوم اسلامیہ کی برکت اور علماء کے فیض سے اللہ تبارک وتعالیٰ وہ مقام عطا فرماتا ہے، جو دنیا کی بڑی بڑی ڈگریوں سے حاصل نہیں ہوسکتا، آپ نے دوٹوک انداز میں کہا کہ اس علم کا مقصد معاد ہے، معاش نہیں، اور میں اپنے طلباء سے کہنا چاہوں گا کہ وہ اس حقیقت کو سمجھیں کہ ندوۃ العلماء ایک دعوت کا نام ہے، یہ ایک مستقل فکر ہے، اور آج دنیا اس فکر کی محتاج ہے، تم ہی ہو جو ان کی اس محتاجگی کو دور کرسکتے ہو''۔

اس موقع پر ڈاکٹر سلیم الرحمٰن خاں ندوی بھوپالی (مقیم جاپان) نے اپنے تجربات و واقعات بیان کیے اور کہا کہ اس امت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خیر امت کا خطاب دیا ہے، اور اس کی ذمہ داری بتادی ہے کہ اسے انسانیت کی بھلائی کے لیے برپا کیا گیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ اس خیر امت کی تیاری کے لیے ہندوستان ہی نہیں پورے عالم اسلام کے مشہور ادارہ میں تعلیم کی توفیق نصیب فرمائی۔

مشہور محقق جناب مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی نے کہا کہ: میں ندوۃ العلماء کے فضلاء سے کہنا چاہتا ہوں کہ ندوہ ایک دعوت ہے، ایک مستقل فکر ہے، دنیا اس فکر کی محتاج ہے، اگر آپ مزاج نبوت کا پیدا کرلیں اور اپنی نفسانیت کو توڑ لیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شاہراہ پر چلیں تو اللہ تعالیٰ کی نصرت آئے گی، اس کی برکت نازل ہوگی، اگر اس راستہ کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کریں گے تو بڑا سے بڑا عالم ہو یا مفکر ہو تو وہ گھاٹے اور نقصان میں رہے گا۔ مزید فرمایا کہ: پوری دنیا میں بڑی تعداد میں لوگ اسلام کی طرف راغب ہورہے ہیں، وہ قرآن پڑھنا اور سمجھنا چاہ رہے ہیں، مگر دکھ کی بات یہ ہے کہ ہمارے پاس ایسی کتابیں اور ایسا لٹریچر بہت کم ہے، جو ان کو پوری طرح مطمئن کرسکیں، اور ان کے ذہن میں ابھرنے والے سوالات کا جواب دے سکیں، ہمارے طلبہ کی یہ ذمہ داری نہیں بلکہ چیلنج ہے کہ آگے بڑھ کر اسے قبول کریں اور ذہنی طور پر پریشان لوگوں کو اسلام کی پناہ میں لائیں، انہوں نے مجلس انتظامیہ کے سامنے سابق ناظم ندوۃ العلماء مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی رائے بریلوی (مصنف نزہۃ الخواطر) کی وفات کے سو سال پورے ہونے پر ان کے کارناموں کے لیے پروگرام کا اہتمام کرنے کی تجویز رکھی۔

اسی موقع پر مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی کی کتاب اور مشہور اسلامی اسکالر مولانا ڈاکٹر اکرم ندوی (آکسفورڈ، لندن) کی کتاب ''سفرنامۂ ہند'' اور ڈاکٹر راہی فدائی کی کتاب کا اجراء حضرت ناظم صاحب کے ہاتھوں کیا گیا۔

ناظم جمعیۃ الاصلاح محمد قتیبہ بن عبدالخالق ندوی نے اپنے افتتاحی مقالہ میں کہا کہ:

ہمارے روبرو ملک وملت کی عظیم المرتبت شخصیات تشریف فرما ہیں، جن کی آمد کا مقصد ندوۃ العلماء کی سالانہ مجلس انتظامیہ میں شرکت ہے، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم نے ان اصحاب علم وفضل سے استفادہ کی غرض سے یہ استقبالیہ نشست منعقد کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پاس اس موقع پر نہ تو پرشوکت الفاظ کی وہ بندش ہے، اور نہ ہی منظم تراکیب کی وہ چستی جن سے ہم اپنی

بے پناہ فرحت وشادمانی اور فخر واعتزاز کا اظہار کرسکیں، لیکن بقول شاعر مشرقؔ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے کے تئیں آج اس مبارک محفل میں ہم بلند سوغات، نیک خواہشات اور پاکیزہ جذبات کی یہ مینا گداز عبدالحفیظ جالندھریؒ کے ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں، جو درحقیقت ہماری بے انتہاء محبت اور بے پناہ عقیدت اور دل وارفتہ کے ترجمان ہیں

نہ یارائے سخن سنجی، نہ دعوائے زباں دانی
اگر کچھ پاس ہے تو بس عقیدت کی فراوانی

حضرات! اس مرکز علم وفن کی کشادہ فضاؤں میں ہم اپنے مہمانوں کا استقبال کررہے ہیں، جو ایک مرکز تعلیمی سے زیادہ ایک وسیع اور جامع مدرسۂ فکر اور فکری واصلاحی تحریک ہے، یہاں دنیائے علم و ادب کے آفتاب ومہتاب کو جلوہ فگن پاکر ہمارے دل خوشی ومسرت سے معمور ہیں کہ اتنی کثیر تعداد اور یگانۂ روزگار ہستیوں نے اس بزم کو رونق بخشی ہے، ہم اپنی جانب سے نیز اپنے رفقائے کار معتمدین و اراکین جمعیۃ الاصلاح اور طلبائے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی جانب سے آپ سب کا دل کی گہرائیوں سے استقبال کرتے ہیں، اس گلشنِ مونگیری وشبلی میں خوش آمدید کہتے ہیں، اور اس بزم سلیمان و بوالحسن میں آپ کو مرحبا کہتے ہیں۔

آج ہمارا دل اس لیے بھی فرطِ جذبات سے مچل رہا ہے کہ دیار ندوہ میں ہم اپنے ان بہی خواہوں اور ہمدردوں کو اپنے درمیان پارہے ہیں، جو ہمیشہ ندوۃ العلماء کی ہمہ جہت ترقی کے لیے کوشاں رہتے ہیں، ہم طلباء کی دینی، علمی اور فکری ترقی کے لیے شب وروز فکرمند رہتے ہیں، یقیناً یہ آپ سب کی محبت وشفقت ہے کہ آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ہم طلباء کے لیے اپنا قیمتی وقت فارغ کیا اور ہماری بزم میں قدم رنجا فرماکر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی، خدا کرے کہ یہ مسرت آمیز لمحے ہمیں بار بار میسر ہوں۔

نشست کا آغاز محمد ذاکر حسین کی تلاوت قرآن مجید سے ہوا اور ترانۂ ندوہ محمد سلمان اور ان کے رفقاء نے پیش کیا، اس نشست میں دارالعلوم کے اساتذہ، طلباء واسٹاف نیز جملہ مہمانانِ عظام اور شہر کی سربرآوردہ شخصیات نے شرکت کی۔ ☆☆☆

...........بقیہ صفحہ ۲۸ر کا

نشست ہائے مقالات

افتتاحی اجلاس کے بعد مقالات کی پانچ نشستیں منعقد ہوئیں، جن میں سیمینار کے موضوع سے متعلق اردو اور عربی میں مختلف عناوین پر تقریبا پچہتر مقالات پیش کیے گئے، مقالات کی نشستوں کی صدارت بالترتیب پروفیسر شفیق احمد ندوی (دہلی) پروفیسر انیس چشتی (پونہ) ڈاکٹر محمد مزمل ندوی (امریکا) شیخ عبدالقادر عارفی (ایران) ڈاکٹر سعید فیضی (کناڈا) نے کی، جبکہ نظامت کے فرائض مولانا سعود الحسن صدیقی ندوی (غازیپور) مولانا محمد اقبال فلاحی ندوی مدنی (گجرات) مولانا عبدالسبحان ناخدا ندوی (بھٹکل) ڈاکٹر محمد عارف جنید ندوی (بھوپال) نے انجام دیے۔

سیمینار کا اختتامی اجلاس ۶ فروری ۲۰۱۸ کو صدر رابطہ ادب اسلامی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی گئیں۔

تجاویز

۱- جملہ مندوبین اس بات پر متفق ہیں کہ ہمارا یہ سیمینار وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بروقت جنوبی ہندوستان کے ایک مشہور علمی شہر بھٹکل میں بڑی محنتوں، مشقتوں اور کاوشوں سے منعقد کیا گیا۔

۲- سیمینار میں جتنے مقالے پیش کیے گئے، وہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی زندگی پر محیط تھے۔

۳- اکثر مقالہ نگاروں نے اس ضرورت پر بھی زور دیا کہ جیسے جیسے زمانہ گزرے گا، حضرتؒ کی فکر اور ادب کی غرض وغایت بڑھتی جائے گی اور اس فکر کو ملک ہند اور عالم انسانیت میں عام کرنا پڑیگا۔

۴- حضرت کی فکر کو عام کرنے کے لیے اسے کتابوں سے نکال کر ایک نئے Action Plan (عملی سرگرمی) سے متعارف کروانا پڑے گا۔

۵- اس کے لیے ضروری ہے کہ حضرتؒ کی حیات اور خدمات کا تجزیہ کیا جائے، اور آنے والی نسلوں میں اس کا عملی مظاہرہ کیوں کر کیا جاسکتا ہے؟ اس بات پر غور کیا جائے۔

۶- اس کے لیے ضروری ہے کہ چھوٹی بڑی ذیلی کمیٹیاں بنائی جائیں، یہ کمیٹیاں حضرتؒ کی حیات کا گہرائی سے مطالعہ کرکے اس پر عمل اور نوجوان نسل کو آمادہ کرنے کے لئے عملی منصوبہ پیش کریں کہ ہمارے تعلیمی اداروں میں تدریس، تحقیق، تدوین، ترجمہ اور تخریج جیسے خالص علمی کاموں میں مدد ومعاون اور رہبری ورہنمائی کا فریضہ انجام دے سکیں۔

۷- مولانا مرحوم کی دعوتی وتربیتی کوششوں کو سراہا گیا، اور لوگوں کو دعوت دی گئی کہ مولانا کے نہج کو سمجھیں، اور اسکے مطابق دین کی دعوت پیش کریں۔

آخر میں مولانا سید سلمان حسینی ندوی، مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی، اور مولانا عمرین محفوظ رحمانی ودیگر حضرات نے اپنے تاثرات پیش کیے، اس سیمینار میں امریکہ، کناڈا اور ایران سے مذکورہ بالا شخصیات کے علاوہ ملیشیا سے ڈاکٹر اروان ندوی اور بنگلہ دیش سے مولانا ابوالرضاء محمد نظام الدین ندوی نے بھی شرکت کی، اخیر میں صدر جلسہ کی دعاء پر جلسہ کا اختتام ہوا۔ ☆☆☆

سوال و جواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: اگر کوئی مسلمان عورت کسی غیر مسلم مرد سے شادی کرلے اور اس کا شوہر اسلام قبول نہ کرے تو کیا عورت اس کے ساتھ زندگی بسر کرسکتی ہے؟

جواب: نہیں، مسلمان عورت کا کسی غیر مسلم مرد سے خواہ وہ کسی مذہب کا ماننے والا ہو، نکاح نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ" (اور اپنی عورتوں کو (بھی) مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور مؤمن غلام تک بہتر ہے مشرک (آزاد) سے اگرچہ وہ تمہیں پسند ہو)، لہٰذا اگر کوئی مسلمان عورت کسی غیر مسلم کے ساتھ زندگی گزارے گی تو وہ مسلسل گناہ کا مرتکب ہوگی، ایسی خواتین کو شرعی حکم بتا کر غیر مسلم مرد سے علیحدہ کرنا لازم ہے یا اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ غیر مسلم مرد اسلام لے آئے اور پھر سے نکاح کردیا جائے۔

سوال: مجلس عقد میں شرکت کی دعوت دینے کے لیے شادی کارڈ چھپوانا کیا شرع اسلامی میں درست ہے؟

جواب: مجلس عقد میں شرکت کی دعوت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کے نکاح کے وقت حضرت انسؓ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے پاس بھیج کر انہیں مجلس عقد میں شرکت کی دعوت دی تھی [شرح الزرقانی: ج ۲/ ص ۲،۳] اس لیے مجلس عقد میں شرکت کی دعوت دینے کے لیے اسراف سے بچتے ہوئے دعوت نامہ چھپوانے کی گنجائش ہے، قرآن مجید میں اسراف وفضول خرچی سے بچنے کی صریح ہدایت موجود ہے: "كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ" [سورۃ اعراف: ۳۱]

سوال: کچھ لوگ خاوند کے مرنے کے بعد بیوہ سے مہر معاف کراتے ہیں، کیا اس سے مہر معاف ہوجاتا ہے اور کیا یہ طریقہ درست ہے؟

جواب: مہر شوہر کے ذمہ عورت کا ایک حق اور قرض ہے اور حقوق معاف ہونے کے لیے ضروری ہے کہ معاف کرنے والا اپنی رضامندی سے معاف کردے اگر عورت نے کسی جبر ودباؤ کے بغیر اپنی خوشی سے مہر معاف کردیا تو مہر معاف ہوجائے گا لیکن اگر دباؤ ڈال کر عورت سے مہر معاف کرایا، یا عورت مہر معاف کرتے وقت مرض وفات میں ہو تو مہر معاف نہیں ہوگا [فتاویٰ ہندیہ: ج ۱/ص ۳۱۳] تاہم معاف کرانے کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے بلکہ نکاح کے وقت یا اول ملاقات میں ادا کردے، اگر ایسا نہ ہوسکے تو زندگی میں جلد سے جلد ادا کرنے کی فکر کرے تاکہ عنداللہ قرض سے سبکدوش سمجھا جائے۔

سوال: اگر کسی شخص کی شادی مثلاً پچاس سال پہلے ہوئی تھی اور تین سو روپیہ مہر طے ہوا تھا تو اب وہ اس مہر کو کیسے ادا کرے؟

جواب: اگر کسی شخص کی شادی پچاس سال پہلے ہوئی تھی اور تین سو روپے مہر طے ہوا تھا تو ایسی صورت میں بہتر ہے کہ پچاس سال پہلے تین سو روپے میں جتنا سونا آیا کرتا تھا اتنا سونا یا اس کی قیمت ادا کردی جائے اور ادائیگی کا یہ طریقہ بہتر بھی ہے اور شریعت کے مزاج عدل سے قریب تر ہے۔

سوال: اگر میاں بیوی کی ازدواجی زندگی میں ناخوشگواری اور تلخی پیدا ہوجائے تو اس کا حل کیا ہے، کیا فوراً طلاق دی جاسکتی ہے؟

جواب: طلاق میاں بیوی کی ازدواجی زندگی کی ناخوشگواریوں کا ابتدائی حل نہیں، بلکہ اصلاح حال کا آخری مرحلہ ہے، قرآن مجید میں اصلاح کے طریقے کھلے طور پر بیان کیے گئے ہیں، اگر بیوی واقعی نافرمان (ناشزہ) ہو اور وہ شوہر کا جائز حق دینے سے گریزاں ہو، تو اولاً پند ونصیحت سے کام لینا چاہیے، اس کے باوجود اصلاح نہ ہوسکے تو گھر سے نکالے بغیر چند دن خواب گاہ علاحدہ کرلے اور ترک تعلق رکھے کہ اسے اپنی غلطی پر ندامت اور پشیمانی ہو، اگر یہ ترک تعلق اصلاح حال کے لیے کافی نہ ہو، تو قدرے سرزنش کی بھی اجازت ہے، [سورۃ النساء: ۳۴] مگر تکلیف دہ مار نہ ہو، [ابن ماجہ، رقم: ۱۸۵۶] اگر اس سے بھی اصلاح حال نہ ہو تو خاندان کے ذی شعور اور تجربہ کار بزرگوں کو حکم بنائیں اور وہ فاصلوں کو پاٹنے اور اختلاف کو دور کرنے کی سعی کریں، یہ دونوں اس کوشش میں اگر مخلص ہوں گے تو اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان اتفاق واتحاد پیدا فرمادیں گے، [سورۃ النساء: ۳۵] اس کے باوجود اگر یہ کوششیں کارگر نہ ہوں تو اب آخری چارۂ کار طلاق ہے، اور وہ بھی اس طرح کہ ایک طلاق ایسی پاکی کی حالت میں دی جائے جس میں بیوی سے صحبت نہ کی ہو اور عدت گزر جائے۔

☆☆☆☆☆

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوة العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہٖ تعالیٰ

اہل خیر حضرات سے!

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں جن کے لیے دار العلوم قائم کیا گیا تھا یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین ودنیا کی جامعیت اور علم وروحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری وامتیاز کا اعلان واظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں کے مقابلہ میں ان مذکورہ مقاصد کا حصول زیادہ اہم ہے، مسئلہ کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دار العلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون واعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں، آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن میں شریک تھے، ان کو یاد ہوگا کہ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے غیر ملکی معزز عرب مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”یہ سونے کی چڑیاں سب اُڑ جائیں گی، ہم اور آپ یہاں رہیں گے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی، ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، ہمارے سفیر آپ کے گھروں پر جائیں گے، آپ کے چار آنے، آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں، یہ جو کچھ دیں گے وہ اس دولت کا ہزارواں حصہ ہوگا جو خدا نے ان کو دیا ہے، اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہوگی۔“

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل وعریض ملک کے کسی علاقہ کے ہوں، ہماری مکرر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپنا ہی کام سمجھیں، ہمیں یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی بیش قیمت رہنمائی ونظامت میں اگر احباب ومخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام نہ صرف ملک کے بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہنچے گا، وماذلك على الله بعزيز.

(مولانا) محمد واضح رشید ندوی	(پروفیسر) اطہر حسین	(مولانا) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) محمد حمزہ حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں: **NADWATUL ULAMA**

(عطیات) **A/C NO. 10863759711**

(زکوٰۃ) **A/C NO. 10863759766** (State Bank of India Main Branch, Lucknow.)

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

NAZIM NADWATUL ULAMA,
NIZAMAT OFFICE, NADWATUL ULAMA,
TAGORE MARG, LUCKNOW - 226007 (U.P.)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.